قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کے 70 سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

نومبر 2013ء

www.toluislam.com

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



مردِ مومن کی خوبیاں اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیے

جلد66 شمارہ نمبر11 نومبر2013ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
عشق خدا کا کلام	کلام اقبالؒ	3
لمعات: ہم دِل کا دیا جلا کے لائے	ادارہ	4
نیّرِتاباں — یوسف علی ضیاء	بزم طلوع اسلام ٹورانٹو	5
نظریۂ اِرتقاء	راجہ عبدالعزیز	7
دیت کا قرآنی مفہوم	خواجہ ازہر عباس	16
مردِمومن کی خوبیاں	کاشف راز	21
مذہبی پیشوائیت	ملک منظور حسین لیل	22
مدیر کے نام		32

ENGLISH SECTION

KHAN JEE — Abdul Rasheed Qureshi 44

Surah Al-Muzammil – Durus-al-Qur'an — By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 18 — Translated by: Dr. Mansoor Alam 46

دفتر کا پتہ 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

انتظامیہ

ناشر وقائم مقام چیئرمین محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون

پاکستان میں 30روپے فی پرچہ

سالانہ-/350روپے

بیرون ملک 2300روپے سالانہ

کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا

2500روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر

3082-7 نیشنل بینک آف

پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ

برانچ کوڈ(0465)۔لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8 1c

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عشق خدا کا کلام

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا — نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

ہے مگر اُس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام — جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اُس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو — عشقِ خود اِک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں، جن کا نہیں کوئی نام!

عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ ؐ! — عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تاب ناک — عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام!

عشق فقیہہ حرم، عشق امیرِ جنود — عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام!

عشق کے مضراب سے نغمہء تارِ حیات — عشق سے نور حیات عشق سے نارِ حیات

کلامِ اقبالؒ (مسجد قرطبہ 'بالِ جبریل' سے ایک اقتباس)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

ہم دِل کا دیا جلا کے لائے

طلوعِ اسلام کی گیارہویں سالانہ کنونشن 11 تا 13 اکتوبر 1968ء گلبرگ لاہور میں منعقد ہوئی نغمۂ توحید کے طائرانِ چمن سے محترم پرویز صاحب نے ''جہانے دیگرے'' کے عنوان سے خطاب فرمایا۔ جس کا ایک اقتباس اس ماہ کے لمعات کی زینت بنایا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''میں قرآنی تحریک کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کو بھی سامنے لانا چاہتا ہوں' میں نے دیکھا یہ ہے کہ جو احباب اس فکر سے خاصی دلچسپی لیتے ہیں' وہ بھی اکثر و بیشتر اسے ایک ذہنی تحریک سمجھتے ہیں۔ یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے اور بہت بڑی خود فریبی کا موجب۔ قرآن کو بے شک سمجھا ذہنی طور سے ہی جاتا ہے۔ لیکن اس کا مہبط در حقیقت انسانی قلب ہے۔ اگر قرآنِ کریم کا فکری طور پر سمجھ لینا' انسان کی سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ تو اس فکری کاوش کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر آپ کسی نسخہ کے اجزاء کے خواص و اثرات کا پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ لیکن اسے استعمال کر کے اپنے مرض کا ازالہ نہیں کرتے۔ تو اس نسخہ کے متعلق آپ کی یہ معلومات آپ کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار عرض کیا ہے۔ میرا مقام داعی کا نہیں' ایک مبلغ کا ہے۔ اس لیے میں دوسروں کا محاسبہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن جو حضرات قرآنی فکر کو ذہنی عیاشی سے آگے نہیں بڑھاتے' انہیں اس خود فریبی سے ضرور نکالنا چاہتا ہوں کہ اگر اس فکر سے آپ کے کردار میں بلندی اور سیرت میں پاکیزگی پیدا نہیں ہوتی تو آپ اس کاوش میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کا مستقبل آپ کے علم سے نہیں' اخلاق سے سنورے گا۔ یوں بھی جس کا کردار پاکیزہ نہیں۔ وہ زندگی کو کما حقہٗ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ (56:79)۔ اس کے لیے خدائی سند موجود ہے کہ جس کے قلب و نگاہ میں پاکیزگی نہیں اسے قرآن سے کیا مس ہوسکتا ہے یہ وہ متاعِ گراں بہا ہے جس کا متلاشی اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ

ہم دل کا دیا جلا کے لائے
تب جا کے ترا سراغ پایا

اگر آپ کے ''دل کا دیا'' نہیں جل رہا تو آپ کے ماتھے کی آنکھوں کی بصارت آپ کو راستہ نہیں دکھا سکتی۔ اور دل کے دیئے کی لو کا مظاہرہ انسان کی سیرت و کردار سے ہوتا ہے اسی لو سے اس کی اپنی زندگی کی راہیں روشن ہوتی ہیں اور یہی دوسروں کے لیے بھی قندیلِ راہ بنتی ہے''۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بزمِ ٹورانٹو

نیّرِ تاباں — یوسف علی ضیاء

(درجِ ذیل تحریر مورخہ 8 ستمبر 2013ء کو بزمِ طلوعِ اسلام ٹورانٹو' کینیڈا کے ماہانہ درسِ قرآنِ حکیم کے موقعہ پر پیش کی گئی)۔

عزیز سامعین! ٹورانٹو کے قرآنی فکر سے وابستہ حلقوں میں' یہ خبر انتہائی اندوہ وملال کے ساتھ سنی جائے گی' کہ بزمِ طلوع اسلام ٹورانٹو کے روحِ رواں، نیرِ تاباں' محترم یوسف علی ضیاء جنہیں خلوص ومحبت سے ''خان جی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا' 24 اگست کو صبح صادق سے ذرا پہلے' اِس جہانِ فانی سے رُخصت ہو گئے۔

محترم یوسف علی ضیاء ایک دلکش اور حسین شخصیت کے مالک توانا انسان تھے۔ اپنی زندگی میں ایک حلیم' بردبار' ہنس مکھ' انسان دوست' اور بگڑے ہوئے معاملات کو سنوارنے والی شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے۔ خاندان بھر میں انہیں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔

قرآنِ کریم انسان کی جس قسم کی سیرت سازی کرنا چاہتا ہے' وہ اُس کا ایک دل آویز پیکر تھے۔ دُکھی انسانیت کے لئے ایک غم گسار ساتھی کی حیثیت سے' وہ مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔

خان جی کی وفات سے نہ صرف بزمِ ٹورانٹو کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے بلکہ پاکستان میں کئی ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارے جو اُن کے حسنِ تعاون اور جمعیتِ ملی کی بدولت چل رہے تھے' اُن میں بھی ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

محترم یوسف علی ضیاء پرویز علیہ الرحمہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے' وہ قرآنی فکر کو جس عمدگی سے سمجھتے تھے اور جس حسن وخوبی سے اُسے دوسروں تک پہنچاتے تھے اُس کی مثال بہت کم ملے گی۔ اِس پر اُن کی جرأتوں کا یہ عالم تھا کہ پشاور جیسے متشدد اور ملازدہ علاقہ میں جہاں مروجہ عقائد اور متوارث رسومات کے خلاف ایک لفظ تک زبان پر لانا بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دینے کے مترادف ہوتا ہے' وہ مردِ قلندر ''قرآنی علم'' بلند کئے نہ صرف کھڑا رہا بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ مخالفتوں کا ہجوم اور مشکلات ومصائب کا سیلاب نہ اُن کے پائے استقلال میں ذرا سی جنبش پیدا کر سکا اور نہ اُن کے قلبِ مطمئن میں خفیف سا اضطراب' وہ مصلحت کوشیوں کے احساس

سے مستغنی قرآنی روشنی کے عام کرنے میں دیوانہ وار مصروفِ جدوجہد رہے۔ چٹان کی طرح محکم، روشنی کے مینار کی طرح بلند، جوئے رواں کی طرح پرسکون، نسیم سحری کی طرح نرم و نازک، پاک باز و پاک بیں۔

موت و حیات کا سلسلہ خدا کے اٹل قوانین کا پابند ہے۔ قاضیٔ تقدیر کے بے لچک فیصلے نہ کسی کی مقدس آرزوؤں کی رعایت کرتے ہیں اور نہ زخم خوردہ جذبات سے ہمدردی کے روادار ہیں۔ ''خان جی'' قضاء وقدر کے ایسے ہی بے لچک فیصلے کو لبیک کہتے ہوئے اِس دُنیا سے رُخصت ہو گئے اور ایک وسیع حلقہ احباب کو ٹھنڈی ٹھنڈی آہوں اور گرم گرم آنسوؤں کی سوگوار فضاء میں وقفِ اضطراب چھوڑ گئے ہیں۔

بزمِ طلوع اسلام ٹورانٹو محترم یوسف علی ضیاء صاحب کے پسماندگان کی خدمت میں دلی پیغام تعزیت پیش کرتا ہے اور دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

آئیں گی بہاریں بھی، گلشن بھی ہرے ہوں گے وہ رنگ کہاں ہو گا اے لالۂ صحرائی

☆.....☆.....☆

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پانچویں قسط

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

قرآن پاک کی آیات 23:12-16 کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ان آیات مقدسہ میں انسان کی پوری زندگی کے مختلف ارتقائی مراحل کا احاطہ کیا گیا ہے۔مثلاً ابتداء بے جان مادے میں کیمیائی ارتقاء سے ہوتی ہے۔پھر طویل ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد اس بے جان مادے میں زندگی کی نمود ہوئی 3:27۔پھر وہ مرحلہ آیا جہاں افزائش نسل کی ابتدا نر و مادہ کے اختلاط سے ہوئی۔اس کے بعد جنین، ایمبریو اور Fetus کا باترتیب ارتقاء اور ایمبریو کی تکمیل (مغفة مُّخَلَّقَةٍ) کے بعد اس میں ہڈیوں کے ڈھانچے کا ابھار پھر اس پر مزید گوشت کی تہہ کا چڑھانا پھر اس کو ذات یا نفس جیسی نعمت دے کر اسے ایک منفرد اور امتیازی حیثیت (خَلۡقًا آخر) عطا کرنا پھر انسان کی موت اور پھر حیات بعد الموت جیسے طویل ارتقائی مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ خَلۡقًا آخر کے بعد فرمایا ''فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ''۔ڈاکٹر محمد آصف نے ان آیات پر بحث کے دوران مولانا مودودی صاحب کا بھی حوالہ دیا ہے۔اپنی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں ''فتبارک اللہ کا فقرہ محض ایک تعریفی فقرہ ہی نہیں بلکہ یہ دلیل کے بعد نتیجۂ دلیل بھی ہے۔اس میں گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جو خدا مٹی کے ست کو ترقی دے کر ایک پورے انسان کے مرتبے تک پہنچا دیتا ہے وہ اس سے بدرجہا زیادہ منزہ ہے کہ خدائی میں اس کا کوئی شریک ہو''۔زندگی کے بارے میں جیسا کہ پہلے قدرے تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ اس کے 'Origin' کے بارے میں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کہاں سے آئی ہے۔میرے خیال میں اگر اس کے 'Origin' کا تعلق عالم خلق (محسوسات) سے ہوا تو آنے والے زمانے میں اس کا سراغ ضرور مل جائے گا لیکن اگر یہ عالم امر کا معاملہ ہوا تو انسانی اکتسابی علم کے لئے اس کا پتہ چلانا ممکن نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے نزدیک فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) ایک طرح سے ایک نئی نوعِ حیات کی براہِ راست تخلیق کا نام ہے۔وہ مزید کہتے ہیں کہ ''حیوانی سطح سے انسانی سطح کا ظہور فجائی ارتقاء کا ثمر ہے''۔ایٹمی انجینئر سلطان بشیر نے اپنی تصنیف میں امریکہ کے مشہور ہفت روزہ ''ٹائمز'' کی 17 جنوری 2000ء کی اشاعت کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق ''فطرت میں کسی نئی چیز کی تخلیق ہمیشہ ہی کسی بڑی جست (Quantum Jump) کے نتیجے میں ہوئی'' اور یہ بھی کہ ''ظہور آدم کے ساتھ ہی زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والے تمام جانور ختم ہو گئے''۔بل برائسن 4.5 بلین سالہ طویل کرۂ ارض کی تاریخ کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ اس تاریخ میں

ہماری آمد انتہائی جدید اور مختصر دورانیے پر مختصر تھی۔ وہ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر آپ اپنے بازوؤں کو پوری طرح پھیلائیں اور اسے زمین کی پوری تاریخ تصور کریں تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کے آخری کونوں سے دوسرے ہاتھ کی کلائی تک کا فاصلہ پری کیمبرین (Pre Cambrian) دور ہے اور پیچیدہ زندگی کے اجراء کا مکمل ریکارڈ بچے کھچے ہاتھ میں ہے۔

انسانی زندگی کے خاتمے کی بات کرتے ہوئے بل برائسن کا کہنا ہے کہ ''خوش قسمتی سے وہ موقع ابھی نہیں آیا مگر وہ جلد آنے والا ہے۔ میں اس موقع پر آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا لیکن کرہ ارض پر زندگی کی ایک اہم خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ اچانک نابود ہو جاتی ہے اور ایسا باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ کتنی محنت اور لگن سے جانداروں نے اپنی اقسام کو ترتیب دیا لیکن اسی طرح یہ اقسام فنا ہو جاتی ہیں اور ان کا نشان ہی نہیں رہتا اور جوں جوں وہ ارتقائی منازل طے کرتی ہیں توں توں ان کے اچانک معدوم ہونے کے امکانات بڑھتے جاتے ہیں''۔ جدید تحقیق کی روشنی میں یہ ایک نیا نظریہ سامنے آیا ہے کہ کرۂ ارض پر انواع کا ظہور پذیر ہونا بھی اچانک ہوتا ہے اور معدوم ہو جانا بھی اچانک ہی ہوتا ہے۔ سلطان بشیر نے ٹائم میں دیئے گئے مضمون کو جدید سائنسی کہانی کا نام دیا ہے۔ جس کے مطابق موجودہ انسان سے پہلے زمین پر لاکھوں سالوں تک کئی قسم کے دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کے ادوار آتے رہے ہیں لیکن ان میں کسی کو بھی انسان نہیں کہا جا سکتا' اِن سب اقسام کے حیوانوں کو انسان نما حیوان کہا جاتا ہے۔ مضمون نگار کے نزدیک سائنسی تحقیقات کے مطابق دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کا اچانک نکتۂ آغاز کوئی پچاس لاکھ سال پہلے افریقہ میں ہوا تھا۔ یہی خیال پروفیسر برونو مسکی نے بھی ظاہر کیا ہے۔ موجودہ نوع انسانی کی پیدائش کے سلسلے میں سلطان بشیر لکھتے ہیں کہ ''ابھی تک کی سائنسی کہانی انسان نما دو پاؤں پر چلنے والے حیوانوں کے اِرد گرد گھومتی ہے جو تقریباً پچاس لاکھ سال کو محیط ہے لیکن سائنس ان میں سے کسی کو بھی انسان نہیں مانتی۔ کوئی چالیس پچاس ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قدرت کے تخلیق امر میں پھر اچانک کوئی بہت بڑی تبدیلی آئی اور پہلی تمام انسان نما مخلوقات کے مقابلے میں ایک بہت زیادہ ترقی یافتہ مخلوق پیدا ہوئی''۔

پروفیسر برونو مسکی نے اپنی کتاب کا نام عروجِ آدم (Ascent of Man) رکھا ہے جبکہ ڈارون نے اپنی کتاب کو نزول آدم (Desent of Man) کا نام دیا تھا۔ ڈارون کے برعکس برونو مسکی نے انسانی صلاحیتوں' انسانی احساسات و رجحانات' نظریات' تخیلات اور مشاہدات کو اُجاگر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''مجھے انسانی ذہن کے ارتقاء اور اس کی مختلف صلاحیتوں سے دلچسپی ہے۔ میں اس کے خیالات اور خاص طور پر سائنسی نظریات کو اس کی ان صلاحیتوں سے جوڑنے کی کوشش کروں گا جو قدرت نے اسے عطا کی ہیں۔ اور جو اسے منفرد بناتی ہیں جو میں پیش کر رہا ہوں اور جس نے مجھے سالوں سے مسحور کر رکھا ہے''۔

میکڈوگل نے کہا تھا کہ انسان اور حیوان میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے دلائل سے اس تصور کو مسترد کرتے

ہوئے متعدد مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان میں بنیادی فرق موجود ہے۔ پروفیسر برونوسکی نے بھی اس تصور کو رَد کرتے ہوئے انسان کی درجنوں منفرد اور مخصوص صلاحیتوں کی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ''آرٹ اور سائنس انسان کا مخصوص عمل ہے۔ یہ کسی بھی جانور کی ہر صلاحیت سے آگے کی چیز ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ انسان کی اسی صلاحیت سے وجود میں آتے ہیں۔ یعنی مستقبل میں جھانکنے کی صلاحیت۔ پیش بینی کہ کیا ہونے والا ہے اور اس کی پیش بندی اور انہیں تصویر کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرنا''۔ تصاویر کے بارے میں وہ حیرت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ ''انسان ایک ناتواں، سُست، بدوضع اور غیر مسلح جانور ہے۔ اسے شکار کے لئے پتھر، آگ جلانے کے لئے چقماق اور بھالا ایجاد کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ان سائنسی ایجادوں کے علاوہ جو اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھیں، اس نے غاروں میں تصویریں بنانے کی ضرورت کیوں سمجھی۔ ہمیں جانوروں کی یہ تصویریں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے''۔ وہ کہتے ہیں کہ ہتھیار بنانے والے انسان اور تصویریں بنانے والے انسان ایک ہی کام کر رہے تھے، مستقبل کی پیش بینی جو صرف انسان کر سکتا ہے''۔ وہ انسان کی ایک اہم امتیازی صلاحیت کا ذِکر یوں کرتے ہیں۔ ''انسان کے پاس بہت سی خوبیاں ہیں جو اس کی انفرادی ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم وہ صلاحیت ہے اور جس سے تمام علوم وجود میں آئے ہیں کہ وہ نہ صرف جو کچھ دیکھتا ہے اس سے نتائج اخذ کر سکتا ہے بلکہ اس سے بھی جو اس نے نہیں دیکھا۔ اپنے دماغ کو وقت میں گردش دے کر خود کو ماضی میں اور حال کی سیڑھیوں تک پہنچانے کی صلاحیت۔ یہ میری علامت ہے۔ یہ انسان ہے''۔

انسان کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں ''انسان ایک انوکھی مخلوق ہے۔ اس کے پاس قدرتی تخلیق کا ایسا مجموعہ ہے جو اسے تمام جانوروں سے منفرد کرتا ہے۔ اس لئے وہ دوسری تمام مخلوق کی طرح صرف تصویر کا حصہ نہیں بلکہ وہ تصویر بنانے والا بھی ہے زمین اور جسمانی لحاظ سے وہ قدرت کا کھوجی ہے''۔ وہ مزید کہتے ہیں۔ ''جو میں نے لکھا اور یہ پروگرام اسی سلسلے کا حصہ ہے کہ آخر یہ انسان ایسا کیسے بنا جس کا میں احترام کرتا ہوں۔ چابک دست، مشاہدہ کرنے والا مفکر، پرجوش، ذہن میں الفاظ اور ریاضی کی علامتوں کو ترتیب دینے والا۔ آرٹ، جیومیٹری، شاعری اور سائنس کا تصور رکھنے والا۔ آخر انسان کے ارتقاء نے اسے جانوروں کی سطح سے قدرت کے راز واسرار جاننے کی خواہش تک پہنچایا''۔ B.B.C نے انہیں سائنس کی ترقی پر ایک سیریز تیار کرنے کی دعوت دی تھی۔ اسی سلسلے میں پہلے انہوں نے 1969ء میں یہ کتاب لکھی اور 1972ء میں اسے فلمایا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میرے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ T.V کی سیریز کی شکل میں میرے تصورات کی سوانح عمری ہے''۔ ظہور آدم کے سلسلے میں اُن کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ''اب یہ بات تقریباً طے ہے کہ انسان نے سب سے پہلی بار افریقہ میں خطِ استوا کے قریب ارتقاء کی ابتدائی منازل طے کیں۔ اومو دریا کا تہہ در تہہ نشیبی علاقہ، گھاٹیاں اور نجر ڈیلٹا انسان کی پیدائش کا مقام ہے جہاں انسان کا چالیس لاکھ سال قبل کا ریکارڈ موجود ہے''۔ ان کا یہ بھی کہنا

ہے کہ انسانی پیدائش تو افریقہ میں ہوئی لیکن اس کی تہذیب کی ابتداء 'Jericho' (موجودہ اردن) میں ہوئی۔ انسانی زندگی، اس کے ارتقاء اور اس کی تہذیب وتمدن پر مفید معلومات سے پر اور دلچسپ کتاب ہے۔ یہ چالیس یا پچاس لاکھ پرانا ریکارڈ دراصل دوٹانگی انسان نما حیوانوں کا ریکارڈ ہے۔ جس کا ذِکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور ان دو ٹانگی حیوانوں میں کرومیگنان، نیدرتھل، رہوڈلین مین، سولومین، ہوموسیپین، ہوموار یکٹس، آسٹریلوپیتھی کس، ہلومی نِڈس، پروکانسل اور پیکن مین وغیرہ شامل ہیں۔ موجودہ انسان کے ظہور سے لاکھوں سال پہلے یہ تمام انواع کرۂ ارض سے نابود ہو چکی تھیں۔

علامہ رحمت اللہ طارق نے بھی قصہ آدم کو مجازاً ہی بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک ''آدم سے نوعِ انسانی مراد ہے''۔ انہوں نے خلیفہ کے معنی اللہ کا نائب، خلیفۃ اللہ یا اللہ کا قائم مقام کرنے کی سختی سے تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ''یہاں خلیفہ کا لفظ ''نکرے'' کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوصف ''آلوسی'' نے اسے آدم اور ''اللہ کا نائب'' لکھ کر ''معرفہ'' بناڈالا ہے حالانکہ ان لوگوں نے جس بے قاعدگی سے اسے ''خلیفۃ اللہ'' کہا ہے قرآن پاک میں نہ اس کے لئے ''اشارہ'' ہے اور نہ کنایہ''۔ وہ مزید کہتے ہیں ''جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خلیفہ کے معنے ہیں کسی کے بعد یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ لینے والا۔ انگریزی میں اسے 'Successor' کہتے ہیں۔ لیکن خدا ہر وقت اور ہر جگہ ''موجود'' ہے۔ اس لئے خدا کے بعد یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی ''جانشینی کا تصور ہی باطل ہے۔ جو خدا خود موجود ہو اس کا جانشین (Successor) کیسا؟۔۔۔۔ آدم کو جو خلیفہ فی الارض کہا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کی مخلوق کا جانشین ہے''۔ انہوں نے مصر کے مفتی محمد عبدہٗ اور علامہ رشید رضا کی مشترکہ رائے کا یہ اقتباس دیا ہے۔ ''خلیفہ کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کائناتِ ارضی میں ''انسانوں'' کی کوئی قسم۔ یا کئی اقسام ایسی بھی گذر چکی تھیں جن کا بعد میں نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا''۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کا روح المعانی میں ایک قول ہے کہ ''اللہ نے بابا آدم سے پہلے تیس آدم پیدا کئے''۔ امام محمد بن علی الباقر سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ ''ہمارے اس آدم سے پہلے دس لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدم ہو گذرے ہیں''۔ ابن عربی کا ماننا ہے کہ ''ہمارے آدم سے چالیس ہزار سال پہلے ایک اور آدم تھے''۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں آدم کی بیوی سے مراد نفس لیا ہے۔ آدم کے بارے میں مندرجہ بالا مختلف اقوال اور روایات سائنسی تناظر میں نہیں بلکہ یہ بتانے کے لئے بیان کئے گئے ہیں کہ موجودہ انسان سے پہلے دوٹانگی مخلوق کی موجودگی کا نظریہ، جدید نظریہ نہیں بلکہ اس کی جڑیں ماضی میں کافی دور تک جاتی ہیں۔ نیز یہ بھی کہ قصہ آدم کی روائتی تشریح وتفسیر کے برعکس اور بھی تشریحات موجود ہیں۔ اس لئے صرف ایک تشریح کو حتمی سمجھ کر ارتقاء جیسی واضح حقیقت کو رَد کرنا انصاف کا تقاضہ نہیں۔ لہٰذا کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے قرآن پاک کی مجموعی تعلیمات کو سامنے رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

علامہ رحمت اللہ طارق اپنی اسی کتاب تفسیر برھان القرآن میں، علامہ اقبالؒ کی طرح آدم کی پیدائش کے سلسلے میں ایک علمی نکتہ پر

بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''یہاں ایک نفیس علمی نکتہ ملحوظ ہو کہ قرآن میں خلیفہ کا لفظ دو مقامات پر آیا ہے۔ آدم کے ساتھ 2:30 میں اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ 38:20 میں اور ہر دو جگہ پر خلافت کو جَعَلَ سے مربوط فرمایا ہے۔ اس کے برعکس جہاں عام بنی نوع بشر کا ذکر ہے وہاں تخلیق سے بات کی گئی ہے۔۔۔۔ اس طرح تخلیق کے لاکھوں سال بعد جب جعل کا مرحلہ آیا یعنی بشر زادوں میں خلافت اور نمائندگی کا آغاز کرنے کی بات ہوئی تو فرشتے حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشہور کردار آدم ہی انسانِ اول ہوتے تو اس کی خلافت کو ''جعل'' کے صیغے سے واضح نہ کیا جاتا اس کی تخلیق ہی کو خلافت کی غرض ٹھہرایا جاتا''۔ آدم کی جنت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمینی جنت تھی۔ اپنے موقف کے حق میں انہوں نے امام ابومسلم، امام آلوسی، ابن قیم، مشہور صحابی ابی ابن کعبؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور کئی اماموں کے حوالے دیئے ہیں۔

الشجرہ سے انہوں نے میاں بیوی کے جنسی تعلقات کا کنایہ مراد لیا ہے۔ شیطان کے بارے میں کہتے ہیں ''یہاں شیطان کی بابت ایک اور توجیہہ بھی غور طلب ہے کہ اس سے ''نفس امارہ'' بھی مراد ہوسکتا ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے۔ ارشاد رسول اللہؐ ہے ''تمہارا بڑا دشمن۔ تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے پہلو میں جاگزین ہے''۔ اھبطو اسے مراد نقل مکانی لیتے ہیں۔ خود ارتقاء کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ''تجربہ اور مشاہدہ واضح کرتا ہے کہ دنیا میں قانونِ ارتقاء جاری وساری ہے۔ کائنات کا عمل جمود اور ٹھہراؤ کی ''نفی'' کر رہا ہے۔ لہٰذا یہاں کی ہر چیز ارتقاء پذیر ہے۔ اِس میں نہ جھوٹ ہے اور نہ مبالغہ''۔ البتہ وہ وحی میں قانون ارتقاء کی واضح طور پر نفی کرتے ہیں کیونکہ خود وحی بھی ایک قانون ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''خاص کر جس نے قانونِ ارتقاء بنایا ہے اسی ہی نے مستقل اقدار میں تغیر وتبدیلی کی نفی کا قانون بنایا ہے۔ فرمایا اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہوسکتی 6:34''۔ ان کے نزدیک کائنات میں ارتقاء ایک حقیقت ہے ''لیکن ارتقاء کے اطلاقات کا سلسلہ چونکہ وسیع ہے لہٰذا ہمیں قانونِ ارتقاء کو چسپاں کرتے وقت ''مستقل اقدار'' کا خیال رکھنا پڑے گا۔ مثلاً وحی قرآن ایک ''مستقل قدر'' ہے جو ہر لحہ اور ہر آن مرتقی بھی ہے اور جو چیز پہلے ہی سے مرتقی ہو اس پر ارتقاء پزیری کا رائج معنوں میں اطلاق نہیں ہوسکتا۔۔۔۔ تاہم اس کی تعبیر وتشریح کے لئے نئے اسالیب اور فہمائش وبیان کے لئے جدید طریقے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں''۔

قرآن پاک میں تخلیقی قوانین کی وضاحت میں کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ نے تمہیں ''نفسِ واحدۃ'' سے پیدا کیا''۔ 6:99، 7:189، 4:1، 42:11۔ آیت 39:6 میں ہے کہ ''اسی نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ ہمارے مفسرین کے سامنے 'Cytology' یعنی خلیوں کا نظریہ نہیں تھا کیونکہ یہ نظریہ تقریباً 175 سال پرانا ہے۔ اس لئے ان مفسرین ومترجمین نے نفسِ واحدہ کا ترجمہ بابا آدم کیا اور محرف شدہ توریت کے زیر اثر آدم کی پسلی سے اس کا جوڑا (حوا) نکال لیا۔ جیسا کہ جناب فتح اللہ صاحب کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود نے اپنی مشہور تصنیف ''مظاہر فطرت اور

قرآن'' میں قرآنی حوالے سے نفس واحدہ کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے اساسی لحاظ سے نفس واحدہ کو کثیر الخلایہ اجسام (Reproduction of Multicellular Organism) کی بنیاد قرار دیا ہے۔ یعنی کثیر الخلایہ حیوان یا پودے کی تولید کے لئے وہ اکائی جس کے اندر تولید کا پورا ساز وسامان ہو ایک واحد خلیہ ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اسے نفسِ واحدہ کہا جاتا ہے۔ یہ تولیدی اکائیاں دو اقسام کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں خلیئے کثیر العناصر (Multiple Fission) انشقاق کی طرز پر تقسیم ہو جاتے ہیں اور ہر بعد از تقسیم خلیہ (Daughter Cell) بڑھ کر جوان خلیہ بن جاتا ہے۔ اس قسم کے خلیئے کو 'Spore' کہتے ہیں جو نباتات میں عام ہیں۔ تولیدی خلیوں کی دوسری قسم وہ ہے جو براہِ راست نئے کثیر الخلایہ اجسام میں بدل نہیں سکتے' ان کو ایک صنفی عمل میں سے گزرنا پڑتا ہے جس میں دو خلیے (نر و مادہ) مل کر ایک تولیدی اکائی (نفسِ واحدہ) بناتے ہیں۔ ان خلیوں کو 'Gametes' یا نسبتی خلیئے کہتے ہیں۔ ان خلیوں کے ملاپ کے عمل کو جفتہ سازی (Fertilisation) کہا جاتا ہے۔ اور ملاپ سے جو خلیہ یا اکائی بنتی ہے اسے جفتہ یا Zygote کہتے ہیں اور یہی نفس واحدہ ہے۔ چنانچہ یہ ارتقاء کا وہ پہلا مرحلہ ہے جہاں تولیدی عمل دو نسبتی خلیوں یعنی نر و مادہ کے ملاپ سے جن کی صنف مختلف تھی شروع ہوا۔ یہ دو نسبتی خلیئے ایک دوسرے کا زوج بن گئے۔ قرآن کریم نے ان تولیدی مراحل کا ذکر کرتے ہوئے گذشتہ ارتقائی عمل کے تین مراحل کا ذکر کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں کیمیائی ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد بے جان مادہ سے زندہ خلیئے بنے دوسرا مرحلہ وہ ہے جہاں خلیہ یا قطرہ آب خود تولیدی اکائی (نفس واحدۃ) بن گیا اور اسی سے دوسرے خلیئے پیدا ہونے لگے۔ اور تیسرے مرحلے میں نسبتی خلیئے نر و مادہ وجود میں آئے اور وہ ایک دوسرے کے زوج بن گئے۔ اور ان کی جفتہ سازی سے جفتہ خلیئے بننے شروع ہو گئے۔ یعنی تمہیں ''من تراب'' پھر ''من نطفة'' سے پیدا کیا اور پھر ''جعلکم ازواجا'' تمہارے جوڑے بنائے 35:11۔

جفتہ' نفس واحدہ یا Zygote کے اندر نر و مادہ دونوں کے بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یعنی اس بار آور خلیئے کے اندر صنف پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کی تکمیل کے بعد اس کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر زوجان کے باہمی ملاپ سے نسل انسانی آگے بڑھتی ہے۔ جفتہ کے اندر نر و مادہ کیسے بنتے ہیں۔ والدین کے نسبتی خلیئے ''X'' اور ''Y'' کس طرح باہمی ملاپ کرتے ہیں۔ ان تمام قوانین کا انسانی علم نے احاطہ کر لیا ہے۔ اسے آزادانہ تشکیل کا قانون (Law of Independent Assortment) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک طویل اور پیچیدہ عمل ہے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا مناسب رہے گا کہ اس عمل میں نر خلیوں کا اہم رول ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ نفس واحدہ سے ''جعل منها زوجها'' (اس کا جوڑا بنایا) یہاں ''ھا'' کی ضمیر دو دفعہ آئی ہے جو کسی مرد کی طرف راجع ہو ہی نہیں سکتی۔ البتہ مونث (عورت) یا کسی جاندار شے کی طرف اس کا اشارہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نفس واحدہ کا ترجمہ ''آدم'' نہیں ہو سکتا۔ تولیدی نظام میں ایک اور پیچیدہ عمل خلیئے کے اندر لونیوں کی تعداد کا ہے۔ ہر نوع میں ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے اور یہ تعداد نسلاً بعد نسل ایک ہی

رہتی ہے۔نوع انسانی میں ان لونیوں(Chromosomes) کی تعداد ہر نسل میں 46 ہی رہتی ہے۔یعنی عورت اور مرد کے نسبتی خلیوں (Gametes) میں یہ تعداد ہر خلیئے کے اندر 46 ہے' تو ایسی صورت میں ایک نر نسبتی خلیہ جب مادہ خلیئے سے ملاپ کرے گا تو اس کے نتیجے میں جو 'Zygote' یا جفتہ بنے گا اس میں 46 نر لونیئے اور 46 مادہ لونیئے مل کر 92 لونیئے ہونے چاہئیں اور پھر اگلی نسل میں اس سے دوگنے ہونے چاہئیں۔لیکن قوانین قدرت کی 'Complexity' کے معاملات دیکھئے کہ ایسا ہوتا نہیں۔دراصل ہوتا یہ ہے کہ نر و مادہ تولیدی اعضاء یعنی خصیہ اور اووری میں جو خلیئے ہوتے ہیں ان میں 'Gametes' یا نسبتی خلیئے بننے سے پہلے پختگی کا عمل ہوتا ہے۔اس پختگی سے پہلے ہر ایک خلیئے میں کراموسومز کی تعداد وہی ہوتی ہے جو اس کے لئے مخصوص ہے اس کی علامت '2N' ہوتی ہے۔لیکن پختگی کے عمل کے بعد نسبتی خلیوں میں لونیوں کی تعداد آدھی رہ جاتی ہے جس کی علامت '1N' ہوتی ہے۔یوں جب نر خلیہ یا 'Sperm' مادہ نسبتی خلیہ (Ovem) سے ملاپ کرے گا اور دونوں کے ملنے سے جو جفتہ بنے گا اس میں لونیوں کی تعداد '2N' یعنی 46 ہی رہے گی۔یہ تمام عمل ایک طویل اور پیچیدہ طریقہ کار سے ہوتا ہے جسے تخفیفی انشقاق (Meiosis) کہتے ہیں۔یہ تمام معلومات انسانی علم (سائنس) پر مبنی ہیں اور انسانی علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔یقیناً ان معلومات میں بھی اضافہ ہوا ہوگا لیکن ان تبدیلیوں سے قرآنی حقائق کو کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ انسانی علم میں اضافے سے ان حقائق کو سمجھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی راہنمائی کے لئے آخری کتاب ہے۔علیم وخبیر رب کائنات نے اپنی اس کتاب میں ایسے سینکڑوں بسیط حقائق (Abstract Realities) بیان فرمائے ہیں جن کے بارے میں اس وقت کے لوگ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔کچھ حقائق نزولِ قرآن کے بعد سامنے آچکے ہیں اور بہت سے حقائق ابھی تک پردہ غیب میں ہیں۔جن حقائق کا علم انسان کو ہو چکا ہے ان میں رحم مادر کے اندر جنین کے مختلف ارتقائی مراحل کا ذکر بھی شامل ہے۔قرآن پاک میں تشبیہات' کنایات' استعارات' اشارات اور اس وقت کی فہم کی سطح سے مطابقت رکھنے والی سادہ زبان میں جنسی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ڈاکٹر موریس بقائی انسان کی جنسی زندگی پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''عملی نوعیت کے امور کو خاموشی سے نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔قرآن میں زندگی کے عملی پہلو پر عمومیت کے ساتھ بہت سی معلومات ہیں۔اور وہ طریقہ بتایا گیا ہے جو انسان کو اپنی حیات کے مختلف مواقع پر اختیار کرنا چاہئے۔اس کی جنسی زندگی بھی کوئی استثنیٰ نہیں ہے۔۔۔۔جنسی تعلقات ایسے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں جن میں صحت کی ضرورت کو نفاست کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔لیکن جب تراجم اور تشریحات سے رجوع کیا جاتا ہے تو انسان ان کے درمیان اختلافات دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتا ہے''۔ڈاکٹر صاحب نے جنسی تعلقات کے بارے میں قرآنی آیات کا حوالہ دے کر ان کی خوبصورتی سے تشریح کی ہے۔قرآنی حوالے یہ دیئے ہیں۔ 86:6-8' 2:222-223' 2:187' 65:4' 2:199' 45:46' 35:11' 75:39 اور کئی دیگر۔

وہ کہتے ہیں کہ پورے قرون وسطیٰ میں انتہائی متنوع اصول وضوابط کی ابتدا بے بنیاد اساطیر اور قیاسات سے ہوئی تھی''۔نیز یہ کہ

اس وقت لوگ ان مسائل سے متعلق اس طرح کے نظریات سے کوسوں دور تھے جس طرح کے نظریات قرآن میں بتائے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ لوگ وحی کی تشریح اس طرح کرنے سے قاصر تھے جو آج ہم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ان چیزوں سے مدد ملتی ہے جو جدید معلومات ہمارے لئے فراہم کرتی ہیں''۔ رحم مادر کے اندر جنین و ایمبریو کے ارتقاء کے متعلق جو معلومات قرآن پاک میں دی گئی ہیں ان کے بارے میں بقائی کہتے ہیں ''قرآن کریم میں ایک بیان بھی ایسا نہیں جو جدید سائنس کے لحاظ سے تنقید کی زد میں آ سکے''۔ ایسی معلومات میں انہوں نے ایک ارتقائی مرحلے کا خاص طور پر ذکر کیا جس کے لئے عَلَقَةٍ کا لفظ آیا ہے۔ اس لفظ کے غلط ترجمے سے سائنسدانوں اور دیگر غیر مسلم دانشوروں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ دراصل نزول قرآن کے زمانے سے بہت پہلے پیدائش کے بارے میں یہ خیال چلا آ رہا تھا کہ اس میں باپ کی طرف سے نطفہ اور ماں کی طرف سے خون کا ملاپ ہوتا ہے۔ اسی خیال کے زیر اثر ہمارے مترجمین نے علقة کے مختلف معنے کئے لیکن سب میں خون کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ امریکہ میں عیسائی عالم ڈاکٹر ولیم کیمبل اور مشہور سکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک کے درمیان ایک مناظرے کے دوران ڈاکٹر ولیم نے قرآن پاک کو انسانی تصنیف ثابت کرنے کے حق میں یہی نکتہ اٹھایا تھا جس کی وجہ سے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ خود بھی اس کا ترجمہ ''خون کا لوتھڑا'' ہی کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنی تصحیح کر دی تھی۔ ڈاکٹر عبدالودود نے اس کی وضاحت میں کہا ہے کہ حمل کے بعد جفتے کے خلیے کی تقسیم شروع ہو جاتی ہے۔ ایک سے دو، چار، آٹھ سے سولہ بڑی تیزی سے بنتا چلا جاتا ہے۔ تا آنکہ خلیوں کا ایک مجموعہ جسے مورولا (Morula) کہتے ہیں بن جاتا ہے۔ بعد میں مورولا کے دو گروپ بن جاتے ہیں۔ درمیانی حصے کے خلیوں سے جنین بنتا ہے۔ اور باہر کے حصے کے خلیئے جنین کے بیرونی غلاف (Extra Embryonic Membranes) بناتے ہیں۔ اس مرحلہ پر مورولا کے اندر ایک خالی جگہ پیدا ہو جاتی ہے اب اسے مورولا کی بجائے Blastocyst (بلاسٹوسسٹ) کہا جاتا ہے۔ علقہ وہ مرحلہ ہے جب بلاسٹوسسٹ بیضہ نالی کے اندر سے گذر رہی ہوتی ہے۔ اس وقت بلاسٹوسسٹ کا تعلق ماں کے خون سے نہیں ہوتا اور نہ ہی خود بلاسٹوسسٹ (علقہ) کے اندر اپنا خون ہوتا ہے۔ علقہ صرف بلا تخصیص خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو ایک ہفتے کے سفر کے بعد رحم مادر کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ ایک معلق چیز ہوتی ہے جس کو صرف خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ نفس واحدہ کے ذکر میں کہا گیا تھا کہ اس جفتے (Zygote) میں نر و مادہ دونوں کے بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یقیناً یہ ایک پیچیدہ عمل ہے، تاہم سادہ اور آسان الفاظ میں اس عمل کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر عورت کے رحم میں ہر چار ہفتے بعد بیضہ (Ovum) وجود میں آتا ہے۔ اس وقت ملاپ سے مرد کی طرف سے خارج شدہ کروڑوں سپرم (Sperms) میں سے ایک نطفہ بیضے میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس عمل سے پہلا انسانی خلیہ وجود میں آتا ہے۔ اسی کو نفس واحدہ یا Zygote کہتے ہیں۔ نطفے میں چھوٹے چھوٹے دھاگہ نما کیمیائی پیکٹ ہوتے ہیں جو اجسام لونیہ (Chromosomes) کہلاتے ہیں۔ ہر نطفے اور بیضے میں الگ الگ 23,23 لونیے ہوتے ہیں۔ اس طرح نفس

واحدہ میں 46 لونیے موجود ہوتے ہیں جو کہ 23 جوڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہر جوڑے میں ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ایک ایک لونیہ ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر جوڑا بچے کی جنس متعین کرتا ہے۔ اس جوڑے میں ماں کی طرف سے جو لونیہ ملتا ہے وہ ایکس لونیہ (X Cromosome) کہلاتا ہے۔ اس کی شکل انگریزی حرف 'X' کی طرح ہوتی ہے اور یہ اکثر لونیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ بچے کی جنس متعین کرنے میں باپ کے نطفے کا کردار زیادہ اہم ہے۔ مرد کے اندر ایک ہی وقت میں دو قسم کے لونیے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے نطفے میں جنس کو متعین کرنے والا ایکس لونیہ ہوتا ہے جبکہ دوسری قسم وائی 'Y' لونیہ ہوتا ہے۔ جو مقابلتاً چھوٹا ہوتا ہے۔ اگر بیضے میں ایکس لونیہ والا نطفہ داخل ہو جائے تو بیضے میں ماں اور باپ کی طرف سے دو عدد ایکس لونیے ہوں گے یعنی 'XX' اور دو XX کی وجہ سے بننے والے بچے کی جنس مونث ہوگی۔ اس کے برعکس بیضے (Ovum) میں وائی 'Y' لونیہ داخل ہو جائے تو ماں کی طرف سے ایک ایکس 'X' اور باپ کی طرف سے وائی 'Y' اجسام لونیہ ہوں گے اور یوں (XY) لونیہ کی وجہ سے بننے والے بچے کی جنس مذکر ہوگی اور یوں لڑکا پیدا ہوگا۔ لہٰذا یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بچے کی جنس متعین کرنے میں ماں کا دخل نہیں ہوتا بلکہ جنس کا تعین باپ کے نطفے سے ہوتا ہے۔ لونیوں کی تعداد پر آگے چل کر بحث ہوگی۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ نظریۂ ارتقاء بہت ہی وسیع مضمون ہے کیونکہ غیر نامیاتی (Inorganic) اور نامیاتی (Organic) اشیاء' جو اِس عالم محسوسات میں موجود ہیں' کا مطالعہ و تجزیہ اس نظریے کے تحت کیا جاتا ہے اس لئے ابھی اس کی مزید قسطیں آپ کی نظروں سے گذریں گی۔ یہ مقالہ کہاں تک محققانہ ہے اس کا فیصلہ تو آپ کریں گے' میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ مقالہ مناظرانہ یا معاندانہ نہیں۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس کی بنیادی حیثیت مثبت یا ایجابی (Positive) رہے نہ کہ سلبی یا منفی (Negative) ہو۔ اِس سلسلے میں ناظم ادارہ محترم سلیم اختر صاحب شروع ہی سے میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ محترم ڈاکٹر منظور الحق صاحب اور محترم خواجہ ازہر عباس صاحب بھی وقتاً فوقتاً فون پر راہنمائی کرتے ہیں جس سے میرے حوصلے اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے میں ان اہل علم ہستیوں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں ان کے علاوہ لاہور سے محترم شہزاد صاحب۔ اسلام آباد سے محترم حلیم حاجی صاحب اور لاڑکانہ سے جناب وحید صاحب نے بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نیز مضامین کی تیاری میں مفید مشورے دینے اور اس تیاری سے متعلقہ دیگر سہولیات فراہم کرنے میں برادر عزیز پروفیسر راجہ محمد یونس خان صاحب اور عزیز دوست ڈاکٹر عبدالروف خان صاحب کا ممنون اِحسان ہوں۔ میرے پاس محدود سی لائبریری ہے اور وہ بھی زیادہ تر قرآنی لٹریچر پر مشتمل ہے۔ لیکن اس معاملے میں مجھے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کیوں کہ میرے دوست بنارس عباسی صاحب کے ہاں بڑی وسیع لائبریری ہے میری ضرورت کے مطابق وہ ہر کتاب مہیا کر دیتے ہیں جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ (جاری ہے)

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

چیف جسٹس پاکستان کی خدمتِ عالیہ میں گذارش

دیت کا قرآنی مفہوم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے متبعین نے خود ہی رہبانیت شروع کی تھی۔ ہم نے ان کے لئے رہبانیت فرض نہیں کی تھی اور پھر وہ اس کو نبھا بھی نہیں سکے 57:27۔ قرآن کریم نے اوّل دن سے رہبانیت کی مذمت کی اور اللہ کی اطاعت کو ایک نظام کی اطاعت سے وابستہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نبوت کے شروع میں ہی اسلامی نظام کے قیام کی کوششیں کیں، اپنے سامنے نظام قائم فرمایا اور اس نظام کی اطاعت کو عبادت خداوندی قرار دیا۔ اگر عبادت خداوندی اسلامی نظام کے ذریعے نہ ہوتی تو حضور ﷺ اس قدر جدوجہد کر کے نظام کیوں قائم فرماتے۔ حضور نے 82 لڑائیاں مشرکین سے لڑیں لیکن نظام قائم کر کے چھوڑا۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر عبادت خداوندی نظام کے ذریعے نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اولوالامر کی اطاعت کو فرض قرار نہ دیتا۔ قرآن کی رُو سے اولوالامر کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح رسول کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اولوالامر کی اطاعت کے بغیر رسول کی اطاعت نہیں ہو سکتی ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل چیز نظام کی اطاعت ہے۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد سے ہم سب مسلمان رہبانیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رہبانیت صرف جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں میں پرستش کرنے کا نام نہیں ہے۔ قرآن کی رُو سے، اسلامی نظام کو نظر انداز کر کے، براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اور انفرادی نجات طلب کرنا، رہبانیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ اعتکاف میں بیٹھنا، 40,40 دن کے چلوں پر نکل پڑنا، اور ہر طرح کی پرستش رہبانیت میں شامل ہوتی ہے ہمارا سارا فقہ ہمارے علماء کرام اور فقہا عظام کی ذاتی آراء ہیں۔ یہ فقہ کسی اسلامی مملکت کا جاری کردہ نہیں ہے، اس لئے یہ نہ اسلامی ہے اور نہ اس کی اطاعت فرض ہے۔ اول تو ہمارے فقہ کے ماخذ (Sources) ہی غلط ہیں۔ اسلامی مملکت کا Constitution صرف قرآن ہوتا ہے۔ مملکت کا سربراہ اور قانون ساز ادارے خود قرآن سے قوانین استنباط کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان قوانین کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ ان قوانین کا اطلاق اُن ہی کے دور تک ہوگا، آئندہ کی نسلوں کے لئے ان کی اطاعت فرض نہیں ہوگی، اگلی نسلیں اپنا قانون خود قرآن کی

حدود میں وضع کرتی چلی جائیں گی۔ فقہ کوئی جامد Static چیز نہیں ہوتا۔ اگر سابقہ نسل کے قانون اور موجودہ دور کی نسل کے قانون میں کوئی فرق ہوگا' تو موجودہ نسل سابقہ قانون کو رد کر دے گی۔ ہر نسل اپنے دور کے موجودہ تقاضوں کے مطابق قانون بناتی چلی جائے گی۔ لیکن یہ شرط ہر وقت پیش نظر ہوگی کہ قانون قرآن کی حدود میں ہو' اس سے سرمو انحراف نہیں ہو سکتا۔

اِس مختصر سی تمہید کے بعد دیت کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں دیت کا ذکر دو مقامات پر آتا ہے۔ ایک سورۃ بقرہ 178 اور دوسرا مقام سورۃ النساء 92 میں۔ سورہ بقرہ میں اصول ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔ اس جگہ قتل کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ لیکن سورہ النساء میں قتل کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور قتل عمد اور قتل خطا میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ان کی سزاؤں میں بھی فرق بیان کیا' اگر قتل عمد اور قتل خطاء' جرم کو نوعیت اور اس کی سزا میں فرق نہ ہوتا' تو قرآن اِس فرق کو کیوں بیان فرماتا۔ آپ پہلے دونوں آیات کریمات مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ہم فقہ کی اصطلاحات کو نظر انداز کر کے مسئلہ کو نہایت آسان کر کے تحریر کریں گے۔ البتہ آپ پہلے مسئلہ کو سمجھ لیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کی رُو سے قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے' لیکن قتل خطا کی سزا میں دیت شامل ہے۔ ہمارے ہاں فقہ شریف میں قتل عمد کی سزا میں بھی دیت کو شامل کر دیا ہے۔ اور یہ قرآن کے خلاف ہے ہم یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ فقہ شریف کا یہ فیصلہ کہ قتل عمد کی سزا بھی دیت ہے غلط ہے اور قرآن کے خلاف ہے اور قتل عمد کی سزا صرف قتل ہے' دیت ہرگز ہرگز اس میں شامل نہیں ہے۔ آپ اب دونوں آیات ایک جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

(1) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ (2:178)

ترجمہ: اے ایمان والو جو لوگ ناحق مارے جائیں ان کے بدلے میں تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے غلام' عورت کے بدلے عورت' پس جس قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے بھی اسی کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے خون بہا ادا کر دینا چاہئے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔

(2) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (4:92)

ترجمہ: کسی مومن کو یہ جائز نہیں کہ کسی مومن کو جان سے مار ڈالے' مگر خطا سے جو شخص کسی مومن کو خطا سے قتل کر ڈالے تو اس پر ایک ایماندار غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے قرابت داروں کو خون بہا دینا لازم ہے۔ مگر جب وہ لوگ معاف کر دیں تو پھر اگر مقتول ان لوگوں

میں سے ہے جو تمہارے دشمن ہیں اور خود قاتل مومن ہے تو صرف ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جن کا تم سے عہد و پیمان ہو چکا ہے تو قاتل پر وارثانِ مقتول کو خون بہا دینا اور ایک بندۂ مومن کا آزاد کرنا واجب ہے۔

آپ نے دونوں آیات مع تراجم ملاحظہ فرمائیں ان کو ذہن میں مستحضر رکھیں۔ پہلی آیت میں قصاص کے حکم پر اصرار ہے تاکہ سوسائٹی میں امن وامان قائم رہے یہ واضح رہے کہ قصاص کے معنے بدلہ لینا یا سزا دینا نہیں ہے بلکہ قصاص کے معنے مجرم کا تعاقب کرنا اور ان کو ہر حالت میں trace out کرنا ہے۔ قتل کے بدلے قتل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ قتل کے بدلے میں رتبہ اور Status کا کوئی خیال نہ رکھا جائے۔

دوسری آیہ کریمہ میں قرآن نے قتل کی وضاحت کی ہے اور قتل عمد اور قتل خطا کا فرق واضح فرمایا ہے۔ چونکہ دونوں قتل کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اِس لئے ان کی سزاؤں میں بھی فرق رکھا ہے۔ قتل بالخطا میں دیت کا حکم ہے۔ اِس دیت کے ادا کرنے کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ ہمیں دیت کی ادائیگی کی تفصیل سے یہاں کوئی بحث نہیں۔ اس کا اصل issue سے تعلق نہیں۔ اصل issue تو یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کی اجازت بالکل نہیں ہے۔

قرآن کریم کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ قرآنِ کریم اپنا مفہوم تصریف آیات سے واضح کرتا ہے قرآن نے فرمایا کہ جو چیز چاہو کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو 7:31، لیکن تین مقامات پر 4 چیزوں، مردار لہو، سور کا گوشت، اور منسوب اِلیٰ غیر اللہ کو حرام قرار دے دیا۔ ان چار چیزوں کا کھانا حرام ہے (5:3, 16:115, 2:173) اسی طرح قرآن نے نکاح کا حکم دیا کہ جو عورتیں تمہیں پسند کریں تم ان سے نکاح کرلو 4:3، لیکن دوسرے مقام پر محرمات کی فہرست دے کر فرمایا کہ ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے (4:23)۔ قتل کی سزا کے بارے میں بھی قرآن نے دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ سورۂ بقرہ میں مطلق قتل کا ذکر ہے وہاں قصاص پر اصرار اور قاتل کے مرتبہ کی تردید کی گئی ہے۔ سورہ النساء میں قتل کی نوعیت کو واضح کیا اور اس میں قتل بالخطاء میں دیت کے حکم کو شامل کیا۔

چونکہ ہماری زندگی پر رہبانیت کا اثر ہے اور ہم ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی نظام کو درمیان میں نہ آنے دیں اس لئے ہمارے فقہ نے اس قتل کو فرد کے خلاف جرم قرار دیا ہے حالانکہ قتل عمد ریاست کے خلاف Crime ہے۔ مجرم کو تلاش کرنا ورثا کا کام نہیں ہے اور نہ ہی بدلہ لینا ورثا کا کام ہے۔ اگر وارث کمزور ہیں تو وہ تو بدلہ لے ہی نہیں سکتے۔ قرآن کریم میں جہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ کے الفاظ آتے ہیں، اس میں اصل تخاطب اسلامی نظام سے ہوتا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں جب واضح طور پر ''وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا'' میں خطاء کا لفظ داخل کر دیا تو یہ اس بات کی محکم، اور نا قابل تردید دلیل ہے کہ دیت کا انحصار صرف اور صرف خطاء پر ہے۔ یہاں قرآن نے خطاء کے لفظ کو شامل کر کے، قتل عمد کو دیت سے خارج

کر دیا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ قتل عمد اور قتل خطاء دونوں صورتوں میں اصل ذمہ داری سٹیٹ کی ہے۔ ورثا پر نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ ان کا کوئی بنیادی کردار ہے۔ قتل خطاء میں بھی دیت کی رقم کا تعین اور اس کی لین دین حکومت کی معرفت ہوگی۔ ورثا کو از خود معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے' کیونکہ ورثا متوفی کے ترکے کے وارث ہوتے ہیں' اس کی جان کے وارث نہیں ہوتے۔

یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ اللہ کے نام پر معاف کرنے کا طریقہ بھی رہبانیت کا طریقہ ہے۔ اسلامی مملکت میں کسی شہری کا کوئی تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ صرف نظام کی معرفت ہوتا ہے اور اسی کی معرفت اطاعت و معصیت ہوتی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو اللہ کو قرضہ دو 73:20' اس کے یہ معنے نہیں کہ لوگ روپوں کی بوریاں لے کر آسمان پر اللہ تعالیٰ کو رقم دے آئیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کے نظام کو قرض دو اور اس کو مضبوط کرو۔ اللہ کے نام پر معاف کرنے کا یہ تصور رہبانیت کا ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ کے نام پر معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جسے معاف کرنا ہے اسے نظام کی معرفت معاف کیا جائے۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ قرآن نے دیت کی سزا صرف قتل خطاء میں رکھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے فقہ نے اتنی بڑی لغزش کی کہ اس میں قتل عمد کو بھی شامل کر لیا۔ اس کی وجہ آیہ کریمہ کا یہ حصہ ہے ''فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ'' (ترجمہ) ''جسے اس کے بھائی نے کچھ معاف کر دیا ہو''۔ آیہ کریمہ کے اس حصہ کا تعلق قتل خطاء سے ہے۔ اس کا تعلق قتل عمد سے ہے ہی نہیں۔ ہمارے فقہ نے اس حصہ کا تعلق قتل عمد سے کر کے بڑی لغزش کی اور اسی وجہ سے یہ ساری پیچیدگی پیدا ہوئی۔ آپ خود غور فرمائیں کہ اس آیت کا تعلق اس جرم سے ہو ہی نہیں سکتا جس کی سزا موت ہو۔ کیونکہ موت کی سزا کا کوئی حصہ معاف کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اِس آیت کا تعلق اس جرم پر ہوگا جس کی سزا کا کوئی حصہ معاف کیا جا سکتا ہو۔ یہ سزا' دیت' قتل خطاء کی ہے۔ کیونکہ قتل عمد کی سزا' موت میں سے کوئی شے معاف ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ النساء کی آیت کے ساتھ پڑھ کر مطلب واضح ہوتا ہے کہ

(1) قتل عمد کی سزا موت ہے جس میں سے کچھ معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(2) کچھ معاف کرنے کا سوال اسی جرم کے ضمن میں ہو سکتا ہے جس کی سزا ایسی ہو جس میں سے کچھ معاف کیا جا سکے' اور وہ جرم قتل خطاء ہی ہو سکتا ہے' قتل عمد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قتل عمد میں بھی دیت کی اجازت ہے تو معاشرہ میں قتل کا دروازہ کھل جائے گا۔ امیر آدمی قتل کر کے دیت دے دیں گے اور غریب آدمی بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا۔

یہاں دیت سے متعلق مضمون ختم ہو گیا۔

روزنامہ دی نیوز مورخہ 22 ستمبر 2013ء میں ایک مضمون جناب محترم افتخار مرشد صاحب کا طبع ہوا ہے۔ جس میں اُنہوں نے

دیت کے موضوع پر تبصرہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں اتفاق سے چونکہ صرف دیت کے متعلق واقعات پیش آ رہے ہیں اس لئے یہ موضوع بار بار زیر بحث آ رہا ہے۔ لیکن آپ یقین کریں کہ ہمارا فقہ کا اکثر حصہ اسی طرح کے خلافِ قرآن قوانین پر مشتمل ہے۔ اب جو کوئی مسئلہ بھی پیش آئے گا یہ بات کھلتی چلی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک ہزار سال پیشتر کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ اس کے ماخذ (Sources) ہی غلط ہیں۔ اِس کے وضع کرنے کا طریقہ غلط ہے۔ یہ تو ہمارے علمائے کرام اور فقہائے عظام کی ذاتی 'انفرادی آراء ہیں۔ ان کو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ ان دونوں حضرات کی کوئی کتاب ہی موجود نہیں ہے۔ دیت کے بارے میں ہمارے دانشور' اینکرز' اور T.V. چینلز کے مباحثوں میں حصہ لینے والے حضرات' سب اِس قانون پر اعتراض کرتے ہیں کہ قتل عمد میں خوں بہا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ لیکن جب ان کے سامنے شرعِ شریف کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ تو وہ خاموش ہوجاتے ہیں۔ ان حضرات میں سے کوئی شخص یہ تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ وہ خود براہِ راست اِس قانون پر غور کرے۔

محترم جناب افتخار مرشد صاحب نے اپنے قیمتی اور علمی مضمون میں' جناب چیف جسٹس افتخار محمد چودہری صاحب کی رائے دیت کے بارے میں نقل کی ہے۔ ہم محترم چیف جسٹس صاحب کی رائے ان کے الفاظ میں لکھ رہے ہیں۔ آپ خود ملاحظہ فرمالیں۔

"Pardoning a murder "in the name of God was a travesty and amounted to circumvention of the Law"

محترم جناب چیف جسٹس کے الفاظ تو چند ہی ہیں لیکن ان کا مفہوم بہت وسیع وعمیق ہے۔ اِس سے زیادہ بھرپور تبصرہ اور نہیں ہوسکتا ہے۔ ہم جناب چیف جسٹس صاحب کی خدمتِ عالیہ میں اتنا عرض کرسکتے ہیں کہ وہ ہمارے فقہ کو قرآن کے مطابق بنانے کی راہ ڈال دیں تاکہ ہمارا فقہ قرآن کے مطابق ہوجائے۔ اور اسلامی قانون اضحوکہ بننے سے بچ جائے یہ آپ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ یہ کام ایک دو دن کا نہیں ہے۔ اس میں بڑی محنت درکار ہے۔ اِس کی شدید ترین مخالفت ہوگی۔ اس میں Spade work تحریک طلوع اسلام بڑی حد تک کرچکی ہے۔ اِس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اب بھی تحریک طلوع اسلام مزید مدد دے سکتی ہے ضرورت صرف خلوص اور جرأت کی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے' صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ جو شخص اِس دور میں اسلامی فقہ کو قرآن کے مطابق بنائے گا۔ اس کا درجہ اس دور کے امام ابوحنیفہ کے برابر ہوگا۔ ہماری دُعا ہے کہ یہ سعادت آپ کے حصہ میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ خود آپ کی مدد فرمائے گا۔ کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (47:7) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا' اللہ کی مدد یہی ہے کہ اس کے قانون کو صحیح طور پر معاشرہ میں جاری کیا جائے۔ ادارہ طلوع اسلام کی ہر طرح کی مدد آپ کے لئے حاضر ہے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قسط نمبر 1

کاشف راز

مردِ مومن کی خوبیاں

(نوٹ: یہ نکات علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تبویب القرآن سے لیے گئے ہیں)

دنیا میں دو ہی قومیں ہیں ایک مومن اور دوسری قوم کافر۔ مومن کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہوتی ہیں۔

یہ نکات لکھنے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے بارے میں معلوم ہو جائے کہ ہم اللہ کے معیار کے مطابق کتنے مومن ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہمیں اپنی اپنی اصلاح کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔

1۔ اپنے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر کے دکھانے والے۔ (العمران: 17-16، الاحزاب: 35)

2۔ جھوٹی شہادت نہ دینے والے۔ (الفرقان: 72)

3۔ **سائحون**، سیاحت کرنے والے۔ (التوبہ: 112 التحریم: 5)

(اللہ کا حکم، **سیرو فی الارض**، دنیا کی سیر کرو، جھوٹی اور مجرم قوموں کا انجام دیکھو۔ الانعام: 11، النحل: 36، النمل: 69)

4۔ حق کی حمایت میں کسی سے نہ ڈرنے والے۔ (المائدہ: 54)

5۔ جن کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں ملانے والے (انسانوں کی ایک عالمگیر برادری بنانے والے۔) (الرعد: 21)

6۔ برائی کو بھلائی سے دور کرنے والے۔ (الرعد: 22)

7۔ اللہ سے ڈرنے والے (یعنی اس بات سے ڈرنے والے کہ اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے خلاف چلنے سے عذاب آ جائے گا (اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے) (الرعد: 21)

8۔ غرور نہ کرنے والے۔ (الفرقان: 63)

9۔ جاہلوں کی سلامتی کے بھی خواہش مند۔ (الفرقان: 63)

10۔ فضول خرچی اور کنجوسی دونوں سے بچنے والے۔ (الفرقان: 67)

11۔ جاہلوں سے نہ الجھنے والے۔ (القصص: 55، الاعراف: 199)

12۔ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑانے والے۔ (الحجرات: 11)

13۔ بدگمانی سے بچنے والے۔ (الحجرات: 12)

14۔ دوسروں کے معاملات میں تجسس نہ کرنے والے۔ (الحجرات: 12)

15۔ اپنے آپ کو یونہی مقدس نہیں بناتے اور نہ ہی جتاتے ہیں۔ (النجم: 32)

16۔ کسی کو کچھ دے کر شکریہ طلب نہ کرنے والے۔ (الدھر: 9-8)

☆.....☆.....☆

(باقی آئندہ ماہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر

قسط اوّل

مذہبی پیشوائیت

احبار و رُہبان

مذہبی پیشوائیت ہمیشہ دین کے خلاف برسرِ پیکار رہی ہے اور دین کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا ہے۔ مذہبی پیشوائیت ہمارے دورِ ملوکیت کی پیداوار اور یادگار ہے۔ اس نے ملوکیت کو جائز قرار دے کر دین کو دنیا سے الگ کر لیا اور دین کو مذہب میں بدل دیا۔ دنیاوی (سیاسی و معاشی یعنی حکومتی) معاملات ملوکیت کے حوالے کر دیئے اور مذہبی معاملات اپنی تحویل میں لے لئے (اسے سیکولرازم کہا جاتا ہے)۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے امت کو فرقوں میں تقسیم کر کے، الگ نمازیں اور الگ مساجد قائم کر کے، فرقوں کے وجود کو مستحکم کر دیا۔ اس طرح فرقہ بندی کو عملاً جائز قرار دے کر، امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور وہ اب تک انہی مشرکانہ کاموں میں مصروف ہے۔ جب تک اس سے جان نہیں چھڑائی جاتی، امت کی وحدت اور ایک اسلامی مملکت کے قیام کا خواب پورا نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ مذہبی پیشوا خدا کی طرف جانے والے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں (۹/۳۴) اور مذہبی پیشوائیت صدیوں سے اسلامی حکومت کے قیام کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہے۔

☆.....☆.....☆

مذہبی پیشوائیت (علماء و مشائخ):۔ علم و عمل کی مرکزیت کے خاتمے اور قیامِ ملوکیت کے نتیجے میں مذہبی پیشوائیت نے جنم لیا۔ دورِ عباسیہ سے قبل، مذہبی پیشوائیت کا وجود نظر نہیں آتا۔ اس نے ''دین'' کو تبدیل کر کے ''مذہب'' کے دبیز گرد و غبار میں گم کر دیا اور یہ گرد و غبار آج تک نہیں چھٹ سکا۔ اس تحفہء ملوکیت نے دین (مکمل نظامِ حیات) کو چند معاملاتِ زندگی (خدا کی پرستش اور ذاتی نجات کے تصور) تک محدود کر دیا۔ آج، جب مذہب، دین یا اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو مذہبی پیشوائیت اچھل کر سامنے آجاتی ہے اور بزعم

خویش، زور دے کر منوانے کی کوشش کرتی ہے کہ اس کے علاوہ نہ کوئی دین کو سمجھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ وہی دین کی ٹھیکیدار ہے۔ دین کے معاملات اسی کے سپرد کر دینا چاہئیں۔ وہ دنیاوی (سیاسی) اقتدار بھی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر اسے بلاواسطہ اقتدار نہ مل سکے تو بالواسطہ طور پر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ دینِ خداوندی کو مذہب میں تبدیل کرنے کا (سیکولر) فریضہ سرانجام دیتی ہے اور دنیاوی معاملات سیاست کاروں کے حوالے کر کے، مذہبی معاملات اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔ اس طرح وہ ایک متوازی حکومت قائم (اور بالواسطہ اقتدار حاصل) کر لیتی ہے۔ فرقہ بندی کا شرکِ عظیم بھی مذہبی پیشوائیت کی عطا ہے۔ یوں، یہ دین اور دنیا دونوں کے لئے بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ دین کو جتنا نقصان مذہبی پیشوائیت نے پہنچایا ہے، کسی اور نے نہیں پہنچایا۔۔۔ مذہبی پیشوائیت کیا ہے، اس کی دین میں کیا حیثیت ہے۔ یہ کب، کیسے اور کیوں دین میں در آئی اور کس طرح اللہ کے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا؟۔ دین کے قیام یعنی نشاۃِ ثانیہ کے لئے ان حقائق کا سمجھنا ضروری ہے۔۔۔ دنیا کو اس کے ہتھکنڈوں اور اس کی خطرناکی سے خبردار کرنے کے لئے پرویز صاحب نے کھل کر لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

مذہبی پیشوائیت کیا ہے؟:۔ طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۷۳ء (صفحہ نمبر ۴۹)۔ ''یوں تو قرآن کریم میں ہر ناجائز طریقہ کو باطل کہا گیا ہے۔ لیکن ''حق'' کی ضد ہونے کی بناء پر اس سے مراد وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو بغیر کسی تعمیری کام کرنے کے، مفت میں بیٹھے دوسروں کی کمائی کھاتے رہیں۔ یعنی ایک تو وہ گروہ تھا جو اپنا سرمایہ لگا کر دوسروں کی محنت غصب کرتا تھا۔ لیکن یہ وہ گروہ ہے جو سرمایہ تک بھی نہیں لگاتا اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ گروہ ہے مذہبی علماء اور روحانی پیشواؤں کا جن کی تصریح قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی کہ:۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط (9:34)۔ ''اے جماعتِ مومنین! (ان مذہبی عالموں اور روحانی پیشواؤں سے ہوشیار رہو) یہ (الا ماشاء اللہ) وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا مال باطل طریق پر کھا جاتے ہیں۔ عوام بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف دعوت دینے والے لوگ ہیں۔ حالانکہ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ خدا کی راہ کی طرف آنے نہ پائیں کیونکہ اس سے ان کی پیشوائیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وضاحت آگے چل کر یوں کر دی کہ:۔ ''ان کی حالت یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ مسلک کو شریعتِ خداوندی کا نام دے کر، لوگوں کو خدا کے سچے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس کے صاف اور سیدھے راستے میں خواہ مخواہ پیچ و خم پیدا کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل اور حیاتِ آخرت پر ان کا ایمان ہی نہیں ہوتا۔ انہوں نے مذہب کو محض بطور پیشہ اختیار کر رکھا ہوتا ہے۔ یہ وہ ظالم ہیں جن پر خدا کی لعنت برستی ہے۔'' (۱۹۔۱۷/۱۱)۔ اس طرح یہ لوگ دین میں اختلافات پیدا کر کے، امت کو فرقوں میں تقسیم کر

دیتے ہیں۔ یہ وہ ظلم ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟۔ سورہء زخرف میں (حضرت عیسیٰ کے ضمن میں) ہے:۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (43:65)۔ ان مختلف گروہوں نے باہمی اختلاف پیدا کرلیا۔ سو جو لوگ اس طرح ظالم بن جائیں ان کے لئے الم انگیز تباہی کا عذاب ہوتا ہے۔''

تھیا کریسی کسے کہتے ہیں؟:۔ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۰ء۔ص۔۱۲۔''اگر قرآن مجید کے احکام و قوانین کی بجائے انسانوں۔۔۔۔ کے وضع کردہ قوانین کو اسلام کے نام سے امت پر مسلط کر دیا جائے تو اسے تھیا کریسی کہا جائے گا۔ واضح رہے کہ ابدی اور غیر متبدل احکام و قوانین صرف قرآن مجید کے ہیں۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو ابدی اور غیر متبدل تصور کرنا' انہیں خدائی درجہ دے دینا ہے۔ اسی لئے اسے ''تھیا کریسی'' کہا جاتا ہے۔''

تھیا کریسی کیا ہوتی ہے؟:۔ طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۸۲ء۔صفحہ نمبر ۱۹۔''چونکہ ہمیں ہنوز (پورے طور پر) تھیا کریسی سے واسطہ نہیں پڑا' اس لئے اسے نہ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اندازِ حکومت کس قسم کا ہوتا ہے' نہ ہی اس کا (کماحقہٗ) احساس کر سکتے ہیں کہ یہ ۔۔۔کس قدر انسانیت سوز ہوتا ہے۔ اس میں فیصلے مذہبی پیشوائیت کے ہوتے ہیں لیکن ان کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہوتا ہے۔ (مثلاً) اگر انہوں نے کہہ دیا کہ کل عید نہیں ہوگی تو حکومت کا محکمہء فلکیات لاکھ اس کی تردید کرے' حکومت انہی کے فیصلہ کو نافذ کرنے پر مجبور ہوگی۔ دوسری طرف حکومت بھی ان سے اپنے بڑے بڑے کام لیتی ہے۔ (مثلاً) اس نے کوئی ایسا قدم اٹھانا ہو جس کے متعلق عوام کی مخالفت کا ڈر ہو' تو وہ مذہبی پیشوائیت سے اس کے' مطابقِ شریعت ہونے کا فتویٰ حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے بعد کسی کی جراءت نہیں ہو سکتی کہ اس کی مخالفت کرے۔ حتیٰ کہ اگر حکومت کو اپنے کسی مخالف کو راستے سے ہٹانا ہو تو مذہبی پیشوائیت اس کے مرتد ہونے کا فتویٰ صادر کر دیتی ہے۔ اس کے بعد حکومت نہایت اطمینان سے اس کا سر اڑا سکتی ہے۔ کوئی اس کے خلاف لب کشائی تک نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی مخالفت سے اس کے خود اپنے مرتد قرار دیئے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ ہوتی ہے' مختصر الفاظ میں تھیا کریسی۔۔۔ یعنی مذہبی پیشوائیت' کی حکومت۔۔۔ نوعِ انسان کی تاریخ میں' ان ادوار سے بدتر کوئی دور نہیں ملے گا' جن میں کسی بدنصیب ملک میں تھیا کریٹک' نظامِ حکومت نافذ رہا ہو۔ یہ تھا مذہبی پیشوائیت کے تصور کا وہ اسلام' جسے ختم کرنے کے لئے حصولِ پاکستان کے لئے جدوجہد کی جارہی تھی اور جس کی سخت مخالفت وہاں کے علماء کی طرف سے ہوئی تھی۔''

یہ ہوتی ہے تھیا کریسی:۔ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۴ء۔ص۔۱۲۔''ہم سے اکثر کہا جاتا ہے کہ آپ ''تھیا کریسی'' کی اصطلاح تو عام طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن کسی مثال سے متعین طور پر بتایا نہیں کہ تھیا کریسی ہوتی کیا ہے؟۔ سُن لیجئے!۔ پچھلے دنوں فلمی دنیا کے

نمائندوں کی ایک تقریب صدرِ مملکت (ضیاء الحق) کے ساتھ منعقد ہوئی۔اس کی روئیداد کے سلسلہ میں روز نامہ جنگ (لاہور) کی ۱۶جولائی کی اشاعت (ص۔۸) میں کہا گیا ہے کہ ''اجلاس میں مسعود پرویز نے فلم میسیج (Message) کا ذکر کیا۔۔اور کہا کہ اس فلم کے ذریعے اسلام کی تبلیغ ہوئی ہے اور افریقہ میں بے شمار لوگ یہ فلم دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔یہ فلم پاکستان میں کیوں نہیں دکھائی جاتی؟۔صدرِ مملکت نے مسعود پرویز کے خیالات سے اتفاق کیا اور بتایا کہ انہوں نے بھی یہ فلم دیکھی ہے اور پاکستان کو یہ فلم دکھانا بھی چاہتے ہیں مگر وہ علمائے کرام کو راضی نہیں کر سکے۔انہوں نے بتایا کہ اُردن کے علماء کرام نے بھی اس فلم کی نمائش کی اجازت دے دی تھی اور دیگر بہت سے مسلمان ملکوں میں بھی یہ فلم دکھائی جا چکی ہے۔لیکن پاکستان کے علماء اس کی اجازت نہیں دیتے' لہٰذا ہم مجبور ہیں''۔۔یعنی:۔(۱)۔سربراہِ مملکت نے ایک فلم دیکھی ہے جس سے' ان کے اندازے کے مطابق اسلام کی تبلیغ ہو سکتی ہے۔(۲)۔وہ اس مقصد کے لئے اسے پاکستان میں دکھانا چاہتے ہیں۔(۳)۔لیکن یہاں کے علماء کرام اس کی اجازت نہیں دیتے۔(۴)۔لہٰذا' وہ مجبور ہیں۔۔۔کون مجبور ہے؟۔سربراہِ مملکت مجبور ہے۔صدرِ پاکستان مجبور ہے۔چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مجبور ہے۔یعنی حکومتِ پاکستان مجبور ہے۔کیوں مجبور ہے۔اس لئے کہ علمائے کرام اجازت نہیں دیتے۔۔۔اسے کہتے ہیں تھیا کریسی!۔جس میں حکم مذہبی پیشوائیت کا چلتا ہے۔حکومت ان کے فیصلوں کے نافذ کرنے کا فقط ذریعہ ہوتی ہے۔اسی طرزِ حکومت کو ختم کرنے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا کیونکہ یہ طرزِ حکومت نہ اسلام کو باقی چھوڑتا ہے نہ مملکت کو۔ممکن ہے اب یہ مسئلہ علمائے کرام کے زیرِ غور ہو کہ صدرِ پاکستان ایک ایسی فلم دیکھ چکے ہیں جس کا دیکھنا ان کے نزدیک جائز نہیں' اس لئے انہیں اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔''

مذہبی پیشوائیت کیا کرتی ہے؟:۔طلوعِ اسلام۔اپریل ۱۹۷۰ء۔ص۔۳۲۔'' جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس کی زندگی کا ہر شعبہ انحطاط پذیر ہو جاتا ہے۔اور اس کا اثر خاص طور پر اس کی فکری صلاحیتوں پر پڑتا ہے۔چونکہ قوم میں جدتِ افکار و قوتِ تخلیق باقی نہیں رہتی۔اس لئے وہ تقلیدِ جامد کو مقصدِ زندگی قرار دے لیتی ہے۔اور اپنے افلاسِ فکر و نظر اور فقدانِ تدبر و اجتہاد کو اسلاف پرستی کے مقدس نقاب میں چھپا کر اپنے آپ کو دھوکا دے لیتی ہے۔زوالِ بغداد کے بعد یہ تمام خرابیاں اُبھر کر سطح پر آ گئیں اور مذہبی پیشوائیت نے یہ کہہ کر امت کو سلا دیا کہ مذہب جو کچھ بننا تھا' بن چکا۔جتنا کچھ سمجھا جانا تھا' سمجھا جا چکا۔اب اس میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے نہ حک و اضافہ۔یہ مذہب' اسلاف سے وراثت میں ملا ہے اس لئے اسے صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم مذہب کے ہر معاملہ میں علماء کی طرف رجوع کرو۔اور ان کے فیصلوں کو خدا اور رسول کے فیصلے سمجھو۔چونکہ عقل کو مذہب میں کوئی دخل نہیں اس لئے اگر علماء کا کوئی حکم تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس کے سمجھنے پر اصرار نہ کرو۔بزرگوں کے راستے پر آنکھیں بند کر کے چلتے جاؤ کہ یہی

صراطِ مستقیم ہے۔ یاد رکھو! تمہارا زمانہ فسق و فجور کا زمانہ ہے۔ اس میں گناہگار بستے ہیں۔ تمہارے اسلاف کا زمانہ علم و تقویٰ کا زمانہ تھا۔ اس لئے تم گنہگار اس کے اہل نہیں ہو کہ مذہب کے معاملات میں دخل دو۔ ان لوریوں سے انہوں نے قوم کو سلا دیا۔ اور اس طرح ان کے دلوں کی گہرائیوں میں برہمنیت کی مسندیں بچھا کر بیٹھ گئے۔ اب انہیں قوم سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ البتہ وہ اپنے باہمی اختلافات سے خوفزدہ تھے۔ اس کے لئے انہوں نے عقائد میں شدت اور تعصب پیدا کرنے کی کوشش کی تا کہ ان کے متبعین ان عقائد میں ذرا سی لغزش یا تبدیلی کے خیال سے کانپ اٹھیں اور اس میں انہیں اپنا ایمان جاتا دکھائی دے۔۔۔ مذہب کو ایک پرائیویٹ حیثیت دے کر اسے احبار و رھبان (علماء و مشائخ) کے ہاتھوں میں سونپ دینے کا جو سلسلہ دینی لامرکزیت اور ملت کا شیرازہ بگڑنے کے زمانہ سے شروع ہوا تھا' وہ آج تک جاری ہے۔ دنیا میں متعدد اسلامی مملکتیں موجود ہیں لیکن ہر جگہ دین اور دنیا کی ثنویت کا نظام کارفرما ہے۔ حکومت بادشاہوں کے ہاتھ میں ہے' اور مذہب علماء کے تسلط میں۔''

☆.....☆.....☆

دو خدا: ۔طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۴ء۔ص۔۴۳۔ ''اگر (۱)۔خدا کو محض پرستش کی شے تسلیم کر لیا جائے۔ یا (۲)۔اس کے کائناتی قوانین کی حقانیت کا اعتراف کر لیا جائے۔ لیکن انسانی زندگی کے لئے انسانوں کے خودساختہ قوانین تسلیم کئے جائیں' تو یہ وہ نظام ہوگا جسے آج کل کی اصطلاح میں سیکولرازم کہا جاتا ہے۔ سیکولرازم میں تینوں گروہ شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی۔(۱)۔خدا کی ہستی ہی کے منکر۔(۲)۔اس کے وجود کے تو معترف' لیکن اس کا دائرہء اقتدار صرف خارجی کائنات تک محدود ماننے والے۔ اور (۳)۔خدا کے قائل لیکن اسے صرف ایسی ہستی سمجھنے والے جس کی پرستش کی جائے۔۔۔ انسانی زندگی میں یہ تینوں گروہ انسانوں کے خودساختہ قوانین کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس زندگی میں خدا کے قوانین کو بالکل شامل نہیں کرتے تو انہیں کافر کہا جائے گا' اور اگر خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خودساختہ قوانین بھی شامل کرتے ہیں' تو مشرک کہلائیں گے۔ کیونکہ یہ ''لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۔۔۔۔'' کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم (مسلمانوں) کا شمار اسی زمرہ میں ہوتا ہے۔ ہم بعض احکام خدا کے مانتے ہیں اور (ان کے ساتھ) بعض انسانوں کے وضع کردہ۔ اس طرح ہم اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ (16:51) کے عملی پیروکار ہیں۔ واضح رہے کہ خدا نے کہا تھا کہ ''لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۔۔۔۔'' وہ اپنے حقِ حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اس لئے احکامِ شریعت وضع کرنے والے کوئی بھی ہوں' خدا انہیں اپنا شریک قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ:۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۔۔۔۔۔(42:21)۔ ''کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکامِ شریعت وضع کرتے ہیں' حالانکہ خدا نے کسی کو اس کی اجازت

نہیں دی۔'' یہ کون ہیں جو احکامِ شریعت وضع کر کے خدا کے حقِ حکومت میں شریک ہو جاتے ہیں؟۔فرمایا: یہ علماء و مشائخ ہیں۔: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ..... (9:31)۔ان احبار ورھبان (فقہاء ومشائخ) کی عقیدت ان کے دلوں میں اس قدر اہمیت اختیار کر لیتی ہے کہ اگر انہیں خدا کا ہمسر قرار نہ دیا جائے تو یہ سخت برہم ہو جاتے ہیں۔: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (39:45)۔''جب ان کے سامنے خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔لیکن جب اس کے ماسوا (ان کے احبار ورھبان کا) ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔'' آپ ان کی محفلوں اور مجلسوں، مکتبوں اور دارالعلوموں میں جا کر دیکھئے۔خدا کا نام تو محض برائے وزنِ بیت (یا تبرکاً) لیا جائے گا۔تمام تذکرے انہی علماء وفقہاء کے کئے جائیں گے۔آپ ان کی احکامِ شریعت کی کتابوں کو دیکھئے۔دس دس، بیس بیس (بلکہ ان سے بھی زیادہ) ضخیم جلدوں پر مشتمل لیکن سب انہی فقہاء حضرات کے احکام وفتاویٰ پر مبنی۔قرآن کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجمل اور نامکمل ہے۔اس کی تکمیل انہی احکامِ شریعت سے ہوتی ہے۔: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ..... (40:12)۔''یہی وجہ ہے کہ جب انہیں خدائے واحد ولاشریک کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو یہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ایمان اس وقت لاتے ہیں جب اس کے ساتھ ان (فقہاء وعلماء) کو بھی شریک کیا جائے۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یاد رکھو!: فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (40:12)۔''احکام صادر کرنے کا حق اور اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جو سب پر غالب اور کبریائی کا سزاوار ہے۔اس میں کسی اور کو شامل کر لینا شرک ہے''۔ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۔جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، احکامِ خداوندی میں انسانوں کے خود ساختہ احکامِ شریعت کو شامل کر لینے سے ہم عملاً ''اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ'' (دو خداؤں) کے پیروکار ہو رہے ہیں اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن ہم یہاں چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

خدائے واحد کے احکام

(۱)۔زانی مرد اور عورت کی سزا سو (۱۰۰) درے ہے۔

(۲)۔مرنے والا، اپنے پورے ترکہ کے متعلق جس کے حق میں جی چاہے وصیت کرے۔یہ حکم خداوندی ہے اور تمام مومنین پر فرض۔

شرکاء کے احکام

(۱)۔غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا بے شک سو درے ہے لیکن شادی شدہ کی سزا سنگسار ہے۔

(۲)۔وصیت صرف ایک تہائی مال کے متعلق کی جا سکتی ہے۔اور وہ بھی ورثاء کے حق میں نہیں۔

(۳)۔دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے کو حق وراثت حاصل ہے۔ (۳)۔یتیم پوتا محروم رہتا ہے۔

(۴)۔قتل عمد کی سزا موت ہے۔ (۴)۔قتل عمد میں بھی خون بہا لیا جا سکتا ہے۔

(۵)۔شہادت کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (۵)۔فوجداری مقدمات میں عورتوں کی شہادت لی ہی نہیں جا سکتی۔دیوانی مقدمات میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تسلیم کی جاتی ہے۔

(۶)۔خون بہا (دیت) مرد اور عورت کی یکساں ہے۔ (۶)۔عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔

طلوعِ اسلام اپریل ۱۹۸۱ء۔ص۔۵۶۔’’(مفہوم)۔کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔۔خواہ اسے ضابطہء قوانین‘ یا اقتدارِ حکومت اور ’’نبوت‘‘ تک بھی کیوں نہ حاصل ہو۔کہ وہ لوگوں سے کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کی نہیں‘ میری محکومی اختیار کرو۔اسے یہی کہنا چاہیئے کہ تم سب‘ اس کتاب کی اطاعت سے‘ جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو‘ اور جس پر‘ غور و فکر سے تم اس کے معانی کی تہہ تک پہنچتے ہو‘ ربانی بن جاؤ یعنی خدا کے محکوم۔‘‘ (۳/۷۹)۔ اس آیت نے انسانوں کے حقِ حکومت پر یک قلم خطِ تنسیخ کھینچ دیا اور مذہبی پیشوائیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔جب اس نظام میں نبی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنے احکام کی اطاعت کرائے‘ تو مذہبی پیشوائیت کو اس کا حق کیسے حاصل ہو جائے گا۔اس کا (مذہبی پیشوائیت کا) تو اس نظام میں وجود تک نہیں ہو گا۔‘‘

☆.....☆.....☆

رہزنِ ایمان و آگہی:۔طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۷۳ء۔ص۔۲۵۔’’ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن زندگی کی راہوں کو روشن کر دیتا ہے۔اس سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کون سے راہزن ہیں جو اس راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔اور کاروانِ انسانیت کو غلط راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔اس سوال اور اس کے جواب کو سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔کیونکہ اس کے بغیر ہم صحیح راستے کی طرف قدم ہی نہیں اٹھا سکتے۔لیکن اسے سمجھنے کے لئے‘ یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کا پیغام کیا ہے‘ اور یہ راہزن اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ایک لفظ میں یہ سمجھئے کہ قرآن انسانوں پر دوسرے انسانوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتا ہے۔۔اقبالؒ کے الفاظ میں‘ قرآن:۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے نے کوئی فغفور و خاقاں‘ نے فقیرِ راہ نشیں

انسانوں پر دوسرے انسانوں کا اقتدار‘ سیاسی مہرہ بازیوں کی رو سے بھی قائم ہوتا ہے۔۔جسے ملوکیت کہتے ہیں اور معاشی خون آشامیوں

کے ذریعے بھی۔۔ جسے نظامِ سرمایہ داری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔لیکن سیاسی یا معاشی اقتدار برہنہ ہوتا ہے اس لئے اسے آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ان کے مقابلہ میں اقتدار کی ایک اور شکل ہے جو نقاب پوش رہتی ہے اس لئے اپنی فریب دہی میں بڑی کامیاب ہوتی ہے۔یہ اقتدار ہے مذہبی پیشوائیت کا۔۔یہ وہ جھوٹ ہے جو سچ کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے۔۔نوعِ انسانی کی پوری تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جس قوم میں بھی مذہبی پیشوائیت کا غلبہ رہا' زندگی کی تاریک راہیں اس پر کبھی روشن نہ ہوسکیں۔یہ گروہ' خدا کی طرف لے جانے والے راستہ میں روک بن کر کھڑا ہوجاتا ہے اور کاروانِ انسانیت کے عقل وفکر کے چراغ گل کردیتا ہے۔اس طرح اس تیرہ بخت قافلے کے لئے تاریکیوں میں ٹکریں مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔قرآن ان کاروانوں کو وارننگ دیتا ہے کہ یاد رکھو!۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (9:34)۔''ہادیانِ شریعت ہوں یا مرشدانِ طریقت' یہ لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھاتے رہتے ہیں اور خدا کی طرف لے جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔'' آپ قرآن کریم کو اٹھا کر دیکھئے۔سلسلہء رشد و ہدایت کی اوّلین کڑی۔حضرت نوح سے لے کر اس کی آخری کڑی۔حضور نبی اکرم ﷺ تک' ہر رسول نے ایک ہی پیغام دیا اور وہ یہ کہ: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (11:50)۔''لوگو! صرف ایک خدا (کے قوانین) کی اطاعت اختیار کرو۔اس کے سوا کسی کو حقِ اقتدار حاصل نہیں۔'' یہ پیغام جیسا کہ ظاہر ہے' ہر مدعیء اقتدار کے لئے پیغامِ موت تھا۔اس لئے ان کی طرف سے اس کی مخالفت لازمی تھی۔لیکن ملوکیت یا سرمایہ پرستی۔۔جنہیں میں نے برہنہ اقتدار کہہ کر پکارا ہے۔

مذہبی پیشوائیت:۔اس مخالفت میں براہِ راست سامنے آنے کی جراءت نہیں کرسکتے تھے۔انہوں نے' ان پیغمبرانِ انقلاب کی مخالفت کے لئے ہمیشہ اس گروہ (مذہبی پیشوائیت) کو آگے بڑھایا جو خدا کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتا تھا۔آپ نے غور نہیں کیا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ سے آغازِ سخن تو خود کیا لیکن جلد ہی بھانپ لیا کہ اس طرح کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد اس نے اُن کے مقابلہ کے لئے ہامان اور اس کے جنود (لشکروں) کو بلایا۔بس یہ ہے ملخص اس ساری داستانِ تزاحم وتصادم کا۔اس گروہ کی ٹیکنیک بڑی سادہ وپُرکار ہوتی ہے۔یہ لوگوں کے لئے کسی ایسے راستے کو تجویز نہیں کرتے جسے کھلے بندوں کفر والحاد اور لادینی وخدا فراموشی کا راستہ کہا جاسکے۔اس طرح تو کوئی بھی ان کے دامِ فریب میں نہیں پھنس سکتا۔یہ انہیں کسی الگ راستے پر نہیں لے چلتے۔یہ ان کے ساتھ اُسی راستے پر چلتے ہیں لیکن تھوڑی دور آگے جاکر اسے ذرا ٹیڑھا کردیتے ہیں۔اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (11:19)۔ ''یہ لوگ خدا کا راستہ اس طرح روکتے ہیں کہ اسے ذرا ٹیڑھا کردیتے ہیں۔'' سادہ لوح مسافروں کو اس کا احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ

وہ کسی دوسرے راستے پر ڈال دیئے گئے ہیں۔ وہ اُسی حسن نیت، خلوص وصداقت اور جوش وخروش کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان کا ہر قدم انہیں منزل سے دور کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی سحر انگیز افسانہ طرازیوں اور خواب آور قصہ گوئیوں سے غلط راستے کو نہایت پُرکشش اور جاذبِ نگاہ بناتے رہتے ہیں۔ اور عوام بے چارے ہپناٹسٹ کے ''معمول'' کی طرح آنکھیں بند کئے ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان میں یہ دیکھنے اور سوچنے کی بھی صلاحیت نہیں رہتی کہ ان کی منزل کون سی تھی اور وہ چل کس راستے پر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس قدر پُرمشقت سفر کے بعد ان کے حصے میں منزل سے دوری اور تکان کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہی ہیں وہ جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ: اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیا میں رائیگاں جاتی ہیں لیکن وہ اس فریب میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں''۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا (18:103-105)۔ ''ان کا کیا کرایا سب بے نتیجہ رہ جاتا ہے۔۔ ایسا بے نتیجہ کہ اسے مکافاتِ عمل کے میزان میں رکھ کر تولنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔'' آپ سوچئے عزیزانِ من! کہ ہماری بے حد مفلس اور نادار قوم، مذہب کے نام پر جس قدر صعوبات برداشت کرتی اور وقت، توانائی اور پیسہ صرف کرتی ہے، اس کا کچھ بھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے؟۔ یہ ہے جو مذہبی پیشوائیت قوموں کے ساتھ کرتی ہے!۔ اس کے لئے ان کی ٹیکنیک قابلِ غور ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو ''عاصی پُرمعاصی'' اور ''ہیچ مداں وہیچ میرز'' کہتا رہتا ہے۔ کوئی معاملہ ان کے ہاں لے جایئے، یہ اس کے متعلق اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے۔ صرف اسلاف کے اقوال کو بطور سند اور حجت پیش کر دیں گے۔ ان کی ساری زندگی اسی طرح گزرے گی لیکن ان میں سے جونہی کوئی آنکھیں بند کرلے گا، اس کا شمار سلف صالحین میں ہوجائے گا۔ اب وہ ''عاصی پُرمعاصی'' نہیں رہے گا۔ تقدس کا حالہ اس کے چہرے کے گرد بُنا جائے گا۔ صلوٰۃ وسلام سے اس کا نام لیا جائے گا۔ اور جن مسائل کے حق میں اس کے پاس کوئی علمی دلیل نہ تھی، اس کے اقوال، ان کی تائید کے لئے بطور سند وحجت پیش کئے جائیں گے۔ مسلسل پروپیگنڈے سے، انہیں عوام کی نگاہوں میں اس قدر مقدس بنا دیا جائے گا کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کریں گے۔ اس طرح ''سلف صالحین'' کی تقدیس کے پردے میں، مذہبی پیشوائیت، اپنے اقتدار کی مسندیں محکم سے محکم تر کرتی چلی جائے گی۔ اس کے بعد ان کا کام بڑا آسان ہوجائے گا۔ جوں ہی کسی نے عوام سے کہا کہ یہ لوگ تمہیں غلط راستے پر لے جارہے ہیں، انہوں نے دہائی مچادی کہ یہ ملحد و بے دین، تمہیں اسلاف کے راستے سے بہکا کر کسی اور طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس سے عوام میں اشتعال پیدا کر کے، یا تو اس کا گلا گھونٹ دیا جائے گا اور یا اس کی آواز کو شور وغوغا کے اس طوفان میں غرق کر دیا جائے گا۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ:۔ (جاری ہے۔)

☆.....☆.....☆

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صد سالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صد سالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔

پیشِ رابطہ

(1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

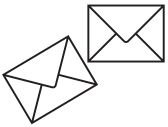
(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

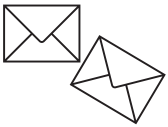
(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد



مدیر کے نام



محترم جناب محمد سلیم اختر صاحب

السلام علیکم۔ امید ہے آپ صاحبان بخیریت ہوں گے۔ آپ نے محترم محمد ارشد صاحب کا خط مجھے بھیجا ہے اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں اور ساتھ ہی محترم ارشد صاحب کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے میرے مضامین کو انتہائی غور اور دلچسپی سے پڑھا اور میری طرف سے کی گئی گذارشات اور Net سے حاصل کی گئی معلومات میں تضادات کی نشاندہی کی۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہوتی ہے' کیونکہ انسانی اکتسابی علم میں' چاہے وہ کتنے ہی بڑے عالم یا فلسفی کا ہو' غلطی کا امکان رہتا ہے۔ حتمی' اٹل اور حقیقی علم صرف وحی سے حاصل ہوتا ہے جو انبیاءؑ کی وساطت سے نوع انسانی کو ملتا تھا۔ اور اب نبوت کی تکمیل (خاتمے) کے بعد یہ علم قرآن مجید میں قیامت تک محفوظ کر دیا گیا ہے۔ انسانی استدلالی علم کا طریق Trial and error ہے۔ لہٰذا اس علم کی درستی کا ایک طریقہ مکالمہ (Dialogue) ہے۔ اور مقالمہ کی ابتداء سوالات سے ہوتی ہے۔ محترم ارشد صاحب نے دو تضادات کی نشاندھی کی ہے۔ ان میں پہلا تضاد کائنات کے پھیلاؤ سے متعلق ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ وسعتِ کائنات کی پیشین گوئی سب سے پہلے روس کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر فرائیڈ مین نے کی تھی۔ جبکہ جناب ارشد صاحب کے کہنے کے مطابق:۔

"George Lemaitre was the first person to propose the theory of the expansion of the universe."

اس معاملے میں میری پہلی عرض تو یہ ہے کہ Net کی مہیا کردہ معلومات اگر کسی مستند سائنسدان کی طرف سے نہ ہوں تو مزید کسی تحقیق کے بغیر ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی حالیہ مثال یہ ہے کہ جن لوگوں نے گذشتہ سال 21 دسمبر کو دنیا کے خاتمے کا انکشاف کیا تھا انہوں نے اپنا سارا مواد Net سے لیا بھی تھا اور Net پر دیا بھی تھا۔ اس پر میں طلوع اسلام میں شائع شدہ ایک مضمون میں چند معروضات پیش کر چکا ہوں۔ میرا دوسرا خیال یہ ہے کہ محترم ارشد صاحب کی نظر سے بگ بینگ سنگولیرٹی پر میرا مضمون نہیں گزرا۔ اس مضمون میں میں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ کائنات کے پھیلاؤ کی پیشین گوئی ڈاکٹر فرائیڈ مین نے 1922ء میں کی اس کے بعد جارج ہنری لماٹائیر یالمترے نے پہلی بار وسعت پزیر کائنات کی طبعیاتی نوعیت اور اس کی ابتداء کے بارے میں تحقیقات کیں۔ اس نے 1927ء میں پھیلتی ہوئی کائنات کے جدید نظریات پر ایک مقالہ شائع کیا تھا جس میں اس نے ثابت کیا تھا کہ آئن سٹائن کی مساوات میں "Expanding Universe" کا طبعیاتی مواد موجود ہے''۔ مطلب یہ کہ لیماٹائر نے فرائیڈ مین کی پیشین گوئی پر تحقیقات کی تھیں نہ کہ پیشین گوئی کی تھی۔ لہٰذا اسٹفن ہاکنگ اور 'Marcus' جیسے مشہور سائنسدانوں کے مطابق یہ ایک بے بنیاد بات ہے کہ لیماٹائر نے کائنات کے پھیلاؤ کی پہلی دفعہ پیشین گوئی کی تھی۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے' کوئی سائنسی 'Equation' نہیں کیونکہ ان

دونوں کی کاوشوں کے درمیان پانچ سال کا عرصہ حائل ہے۔ مارکس کہتے ہیں۔

"The evolving universes of friedman were discoverd independently five years later by G.H. Lemaitre, a catholic priest."

اسی طرح اسٹیفن ہاکنگ بھی کہتے ہیں۔ ''لگتا ہے کہ صرف ایک آدمی اضافیت کو ایسے ہی قبول کرنے پر تیار تھا۔ جب کہ آئن سٹائن اور دوسرے ماہرین طبعیات عمومی اضافیت کی غیر ساکن کائنات سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک روسی ماہر طبعیات اور ریاضی دان الیگزنڈر فرائیڈمین اس کی تشریح کرنے میں لگا ہوا تھا..... درحقیقت ایڈون ہبل کی دریافت سے کئی سال قبل 1922ء میں ہی فرائیڈمین نے بالکل وہی پیشین گوئی کر دی تھی جسے ہبل نے 1929ء میں دریافت کیا تھا''۔

بنیادی نظریہ دراصل وسعت پزیر کائنات کا ہی ہے۔ بگ بینگ کا نظریہ کائنات کے پھیلاؤ کے نظریے کے بعد سامنے آیا۔ مختصر طور پر اس نظریے کی تصویر یوں بنتی ہے کہ اس نظریے کی پیشین گوئی ڈاکٹر فرائیڈمین نے کی۔ اس کے پانچ سال بعد لیماٹائر یا لمترے نے اس نظریے کے بارے میں اپنی تحقیقات شائع کیں اور اس کے دو سال بعد ایڈون ہبل نے (Doppler Effect) کی مدد سے 9 مختلف کہکشاؤں تک فاصلے معلوم کر کے عملی تحقیقات اور تجربات سے ثابت کر دیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ بگ بینگ سنگولیرٹی پر میں نے لیماٹائر پر اس کے اور آئن سٹائن کے درمیان ہونے والی دلچسپ باتوں کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے اپنے استاد سر آرتھر ایڈنگٹن کے ساتھ اختلافات پر بھی بات کی ہے جو آپ طلوع اسلام بابت نومبر 2012ء کے صفحات نمبر 27-26 پر دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں اس کا مشہور فقرہ، "Cosmos was born he argued, on a day without yesterday" بھی آپ کو پڑھنے کے لئے ملے گا۔

محترم ارشد صاحب کا پیش کردہ دوسرا تضاد بگ بینگ کے وقوعے کی مدّت کے بارے میں ہے۔ یہ غلط فہمی محض ایک نقطے یا اعشاریے (ء) کے حذف یا کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ بہرحال میں اس طرف توجہ دلانے پر بھی ارشد صاحب کا ممنون ہوں۔ 1347ء بلین سال کی غلطی رسالہ دیکھ کر ہی مجھ پر واضح ہو چکی تھی لیکن میں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ بگ بینگ کی مدت میں وقتاً فوقتاً مختلف اندازے سامنے آتے رہتے ہیں مثلاً سٹیفن نے اپنی پہلی تصنیف ''وقت کی مختصر تاریخ'' میں دو جگہ دس سے بیس بلین سال لکھی ہے۔ ایک جگہ اسی کتاب میں دس بلین سال پہلے بتائی اور اپنی نئی کتاب ''گرینڈ ڈیزائین میں 13.7 بلین سال لکھی ہے میں نے اپنے مضمون میں یہ تو مجھے یاد ہے کہ 137 بلین سال لکھا تھا لیکن مسودہ نہ ملنے کی وجہ سے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ تیرہ اور سات کے درمیان نقطہ لگایا ہے کہ نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ میں نے 13ء7 لکھا ہوا اور کمپوزنگ میں اعشاریہ (ء) کو (4) لکھ دیا گیا ہو۔ بہرحال یہ ایک ٹیکنیکل غلطی ہے اور Net میں ظاہر کی گئی مدت درست ہے کیونکہ سب سائنسدان تقریباً یہی مدت بتاتے

ہیں۔ اربوں کے تخمینے میں لاکھوں یا کروڑوں کا فرق قابلِ ذکر نہیں ہوتا۔

فقط
خدا حافظ
آپ کا مخلص
راجہ عبدالعزیز خان
دھیر کوٹ، باغ، آزاد کشمیر

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)، 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلام و دعا کے ساتھ، میں محترم سینیٹر ایس۔ایم ظفر صاحب کے' میرے مقالہ بعنوان نظریہ پاکستان کا مفہوم' جو طلوع اسلام کے اگست کے شمارہ میں شائع ہوا کے تجزیہ کا جواب بجھوا رہا ہوں۔ اسکے مطالعہ کے بعد شائد آپ مجھ سے متفق ہو جائیں کہ اس مقالہ کی اشاعت ہمارے موقف کی وضاحت چاہتی ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ خط و کتابت نظریہ پاکستان کونسل (ٹرسٹ) کے لئے نظریہ پاکستان کے ایک متفقہ مفہوم پر پہنچنے کے لئے کی جارہی ہے۔

والسلام

ڈاکٹر انعام الحق

زاہد ملک صاحب

چیئرمین

نظریہ پاکستان کونسل (ٹرسٹ) اسلام آباد

محترم ایس۔ایم۔ظفر صاحب کے تجزیہ کا تجزیہ

آپ کے خط سے منسلک جناب محترم ایس۔ایم۔ظفر صاحب کا تجزیہ موصول ہوا۔ ہم سب اُن کی دوراندیشی کے معترف تھے، لیکن مجھے ان کے آغاز ہی کے ریمارک سے جہاں انہوں نے میرے مقالہ کو Ph.D ڈگری کا ایک قابل قدر خاکہ قرار دیا' ان کی دوراندیشی کا تجربہ بھی ہوگیا۔ انہوں نے درست فرمایا، اس لئے کہ یہ دراصل خاکہ ہی ہے اُس کتاب (نظریہ پاکستان اور قرآن) کا جو ہمارے ہی ادارہ نظریہ پاکستان کونسل (ٹرسٹ) اسلام آباد کے توسط سے لگ بھگ سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔

میرے اس خاکہ میں زور اس بات پر دیا گیا تھا کہ دوقومی نظریہ (نظریہ پاکستان) کی بنیاد نظریہ اسلام یعنی اللہ واحد کے قوانین (پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ) پر ایمان لانے کی بنا پر ایک علیحدہ قوم کے تشخص کی پہچان سے' پہلے نبی سے لے کر آخری نبی ﷺ تک سے چلا آرہا ہے۔ یہ کسی شخصیت کا دیا ہوا نہیں بلکہ اس کا ماخذ اللہ کا کلام ہے جو ہر نبی اپنی قوم کے سامنے لاتا رہا ہے (سورہ شوریٰ آیت 13)۔ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اسے اپنی طرف سے نہیں بلکہ قرآن سے دریافت (Discover) کیا اور مطالبۂ پاکستان کے جواز کے حق میں پیش کیا۔

محترم ایس۔ایم ظفر صاحب میرے اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے اور ان کے خیال میں اس کی وجہ ہندوستان کے مخصوص حالات اور ہندو کا متعصّبانہ رویہ تھا جس کی بنا پر ہمارے دونوں قائدین کو علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے کے سوا دوسرا کوئی حل قابل قبول نظر نہ آیا۔ ان کے خیال میں مذہب کے عمل دخل سے زیادہ مطالبہ یا نظریہ پاکستان میں تاریخی طور پر درج ذیل جدید عوامل (Factors)

کا پایا جانا ہے:۔

۱۔تاریخی حقائق کی سمجھ بوجھ (Fac understanding of historical fact)

۲۔تہذیب وتمدن (Culture)

۳۔سیاسی سوچ (PoliticalThinking)

۴۔دونوں (ہندو اور مسلم) اقوام کی زندگی بسر کرنے کا اپنا مخصوص طریق یعنی ثقافت (Way of life of the two communities)

۵۔مذہبی اجتماعات (Religious festivals)

۶۔عاداتِ خورونوش (Eating habits)

۷۔مسلمانوں کا عقیدۂ مساواتِ انسانی کے بالمقابل ہندو قوم کا غیر مساویانہ وَرنوں (ذاتوں) میں منقسم اساطیر کا نظریہ (the egalitarianism of Muslims belief based on MUSAWAT in contrast to the Hindu mytholog of cast system.)

۸۔مذہب کے معاملہ میں مسلمانوں کا اللہ واحد پر ایمان اور ہندو کا متعدد دیوتاؤں Polytheism monotheism کا عقیدہ۔

محترم ایس۔ایم ظفر صاحب نے اپنے تجزیہ کا نچوڑ آخر میں یہ نکالا ہے کہ نظریہ (مطالبہ) پاکستان دراصل لازمی طور پر ایک سیاسی نظریہ ہے اور اس لئے مجھے اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے دینی نقطۂ نگاہ کی تکمیل سے قبل اس نظریہ کو الگ کر کے علیحدہ ایک سیاسی تناظر میں پیش کرنے کے کی ضرورت پر غور کرنا چاہیے۔نظری طور پر اسے دین کو سیاست سے الگ کرنے کی نظریۂ ثنویت کی تائید کہا جاتا ہے۔اسی عقیدہ کا اظہار ایک طرف سے ہمارے مذہبی راہنما پرسنل قوانین کو ملک کے سیاسی انتظامی اختیارات سے الگ کر کے ان پر مذہبی اجارہ داری کی صورت میں پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف سیکولر ذہن رکھنے والے حضرات کی جانب سے لادینی حکومت کی طرز پر زور دینے سے سنا جاتا ہے۔محترم ظفر صاحب کی شاید بے خیالی میں دی گئی اس سفارش نے دین کو سیاست سے الگ رکھنے کی ثنویت کو مسلکِ پیشوائیت اور دوسری طرف سیکولرزم کے لادینی نظریہ سے منسلک کر دیا ہے۔شاید ان کی نظر سے علامہ اقبالؒ کا یہ مصرع نہیں گزرا، صرف ایک مصرعہ سے ان دونوں نظریات کی ''چنگیزیت کی'' نفی ہو جاتی ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسی ایک مصرع پر تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سبھی نکات جو محترم ظفر صاحب نے اٹھائے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے متعدد اقدامات بھی دین ہی کا حصہ ہیں اور دینِ اسلام میں ثنویت کا کوئی عمل دخل نہیں۔اس کے بالمقابل وہ الحق پر مبنی ایک مکمل نظام

ہے جس کے دیئے گئے تمام اصول قیامت تک پوری انسانیت کو راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس امر کا ادراک ادارہ کی کتاب (نظریہ پاکستان اور قرآن) میں اور اس کے زیرِ تبصرہ خاکہ میں بھی علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے چند متعلقہ کے حوالوں پر اکتفا کرتے ہوئے، چار سو کے لگ بھگ قرآنی اسناد سے اسلامی مملکت کا نقشہ تیار کر کے پیش کیا گیا ہے۔

محترم ایس ایم ظفر صاحب نے علامہ اقبال کا درجِ ذیل ایک شعر بھی اپنے اس تجزیہ کے جواز میں پیش کیا جس میں وہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے قائدین متحدہ ہندوستان کی پہلی ترجیح ذہن میں رکھتے تھے بشرطیکہ ہندو کی اکثریت کا رویہ غیر متعصّبانہ ہو۔ (جو میرے خیال میں ناممکنات میں سے ہے۔) انہوں نے علامہ اقبال کے اس شعر کا حوالہ بھی دیا کہ

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

محترم ایس ایم ظفر صاحب نے اس شعر کے پیچھے ایک حقیقت کے پوشیدہ ہونے کو سمجھا اور اسے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"The two nation theory evolved during the political process when majority did not agree to ensure and give constitutional protection and guarantees to what they then called the Muslims minority."

مجھے بھی علامہ اقبال کے کلام کا طالب علم ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ علامہ اقبال علم کی تکمیل کے لئے انگلستان روانگی سے پہلے جغرافیائی بنیاد پر مبنی وطنیت کے صنم کدہ کے سحر میں یہ شعر گنگناتے ہوئے تشریف لے گئے تھے اور دمِ بازپسیں پر مولانا حسین احمد مدنیؒ، امیر جماعتِ مسلمانانِ ہند سے معرکہ دین و وطن کے سلسلہ میں مشہورِ زمانہ قطعہ کہا کہ

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ز دیو بند حسین احمد، ایں چہ بو العجبی ست
سروہِ برسرِ منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفٰےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی ست

ان اشعار میں ''بمصطفٰے برساں خویش را'' کے الفاظ پر اگر محترم ظفر صاحب غور کریں تو ان کو سمجھنے میں دِقت نہ رہی گی کہ دین (یہاں نظریہ پاکستان) اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ لیکن امت کی تشکیل اس رسول کی طرف نسبت سے ہوتی ہے جو اس دین کو انسانوں تک پہنچاتا اور اس کے مطابق ایک معاشرہ تشکیل کرتا ہے۔ اگر قومیت کی اساس وطن یا نسل قرار پا جائے تو رسول سے نسبت ختم ہو جاتی ہے۔

جغرافیائی حدود پر مبنی وطنیت کے لئے صنم کدہ کے الفاظ استعمال کرنے کی جسارت بھی علامہ اقبال کے کلام ہی سے حاصل ہوئی کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرھن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

آخر میں بے یقینی کی حد تک حیرت سے محترم ظفر صاحب کی مذہب حوالے سے (sweeping) کی طرف سے منسوب ایک عمومی اور جامع Founding father دی گئی قسم کی دلیل انہی کے الفاظ میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، جو شاید ان کے لئے یہ نتیجہ نکالنے میں معاون بنی کہ دوقومی نظریہ کا تعلق دین سے نہیں بلکہ لازمی طور پر سیاسی نظریہ سے ہے اور سیاست کو دین کے دائرے سے منسلک نہیں کیا جاتا۔

"Shariah was not mentioned in any of the speeches, address or interviews of the founding Father."

''ہمارے Founding Father (یہاں محترم ظفر صاحب نے Singular کا صیغہ استعمال کیا ہے' لیکن بحث کے آغاز ہی میں وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سے اُن کا اشارہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی طرف ہے) نے شریعت کا'' ذکر تک اپنی کسی تقریر' خطاب یا انٹرویو میں نہیں کیا''۔

محترم ظفر صاحب کی یہ دلیل بادی النظر میں وزن رکھتی ہے اور پڑھے لکھے طبقہ میں اہمیت رکھنے کی بنا پر تفصیل سے تجزیہ کی متقاضی ہے۔ انہوں نے اپنی دلیل میں واضح نہیں کیا کہ وہ شریعت سے کیا مطلب اخذ کر رہے ہیں۔ وہ بات تو علامہ اقبال اور قائداعظم کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی قد آور شخصیت کو دیکھتے ہوئے یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ ان کی شریعت کے تصور سے نابلد ہوں گے، اس لئے قراین سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مکتبِ مُلا کی شریعت کا ہی حوالہ دے رہے ہیں۔ لہٰذا مکتبِ مُلا اور نظریہ پاکستان کے دونوں قائدین کے شریعت کے مفہوم کو مستند ترین حوالوں سے سمجھنے کی کوشش کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

شریعت کے لغوی معنی سیدھا راستہ ہے جو واضح اور کھلا ہو۔ ابن فارس کی مستند لغات میں اس کے بنیادی معنی لکھے ہیں کسی چیز کو طول کی جانب سے کھول دینا کہ وہ یہاں سے وہاں تک پوری کی پوری سامنے آ جائے۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کی کشاف اصطلاحاتِ قانون (اسلامی) میں شریعت کو اللہ کے لائے ہوئے احکام اور زندگی گزارنے کا وہ راستہ بتایا گیا ہے جو دین نے مقرر کیا ہو۔

مَیں ذاتی طور پر قرآن کی سند سے بات کرتا ہوں اور شخصیات کے حوالے سے بات کرنے سے اجتناب کرتا ہوں۔ یہاں چونکہ قائداعظم اور علامہ اقبال جیسی شخصیات کے نظریات ہی موضوع زیرِ بحث ہیں، اس لئے کوشش یہی ہو گی کہ ان کے اس موقف کے حوالے سے تجزیہ کروں جس کو انہوں نے قرآن کی سند سے بیان کیا ہے۔

ان کے موقف کی آگاہی سے قبل ہمارے لئے جاننا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں دین اور شریعت الگ الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ شریعت سے مراد، وہ جزئی احکام لئے جاتے ہیں جن پر امت کے لئے چلنا ضروری ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام یہ ہے کہ اللہ نے قرآن حکیم میں (بجز چند گھریلو زندگی سے متعلقہ مستثنیات کے) دین کے صرف اصول دیئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھنا مقصود ہے۔ ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، ہر زمانے کی امت اپنے لئے جزئی احکام (شریعت) اپنے زمانے کے

مطابق، باہمی مشورہ سے خود مرتب کرے گی۔ قرآنی اصول غیر متبدل رہینگے اور یہ جزئی احکام تبدیل ہوتے رہینگے۔ ان احکام کو شریعت کہا جاتا ہے اور یہ بدلتی رہے گی اور اصولِ شریعت غیر متبدل رہینگے۔ لہٰذا شریعت وہ ہوگی جس میں جمود، تعطل نہ ہو۔ جس میں تسلسل ہو۔ شریعت کا یہ تصور علامہ اقبال کی تحریروں اور قائداعظم کے خطبات میں قرآن سے اخذ کر کے بیان ہوا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے مکتبِ مُلا کے ہاں ابھی تک یہ قریب قریب متفقہ عقیدہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت کو جس قدر قوانین کی ضرورت ہے، وہ سب کے سب ہماری ایک ہزار سال سے مرتب فقہ (مذاہبِ اربعہ)' (مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی) کے اندر آچکے ہیں اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ اسے وہ شریعت کا نام دیتے ہیں جو اب ناقابلِ تبدل ہے۔ وہ سبھی متفق ہیں کہ اس دور اور آئندہ کے دور میں مملکت کا فریضہ قانون سازی نہیں رہا۔ اس کا کام اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ جو سوال سامنے آجائے، اس کے متعلق علماء فقہ سے ان کے مرتب شدہ ہزار سال سے پہلے کے فقہی حوالے سے فیصلہ دریافت کرلیا جائے اور اس کے بعد اس فیصلہ کو نافذ کردیا جائے۔

علامہ اقبال نے اس جامد شریعت کے تصور کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اس میں جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق ترامیم کرنے کی فوری ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے اپنا موقف یوں بیان کیا۔

شریعت کے متعلق، علامہ اقبال کا موقف:۔

علامہ اقبال نے اپنے چوتھے خطبہ میں شریعت کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیاتِ کلی کی روحانی اساس ازلی وابدی ہے، لیکن اس کی نمود، تغیر وتنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقتِ مطلقہ کے متعلق اس قسم کے تصور پر متشکل ہو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق وتوافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم وضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔ لیکن ان ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے اندر تغیر کا امکان ہی نہیں۔ تو اس سے زندگی جو اپنی فطرت میں متحرک واقعہ ہوئی ہے، یکسر جامد ومتصلب ہوجائے گی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

مجھے اس بات کا علم ہے کہ علماء اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے مشہور فقہی مذاہب اپنی اپنی جگہ مکمل اور مختتم ہیں۔ لیکن نظری طور پر اجتہادِ مطلق کے امکان سے انہیں کبھی انکار نہیں ہوا۔ (مَیں یہاں وضاحت کرنا چاہوں گا کہ اس کے لئے انہوں نے ایسی شرائط لگادی ہیں، جن کو پورا نہ کیا جاسکے۔)۔ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس قدامت پرستانہ ذہنیت کو باقی رکھا جائے۔ خود قرآن کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے، اس کی مقتضی ہے کہ ہر نسل کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل تلاش کرے۔ وہ ایسا کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے راہنمائی لے سکتے ہیں، لیکن اسلاف کے فیصلے ان کی راستے میں روک نہیں بن سکتے۔ ہمارے موجودہ دور میں اسلاف کے انہی مذہبی اور فقہی اربعہ مسالک (اس میں فقہ جعفری کا ذکر شامل نہیں) کو شریعت کا نام دے دیا گیا ہے۔ میرے ذہن میں یہی خیال آرہا ہے کہ محترم ایس ایم ظفر صاحب نے محترم ومکرم جناب اقبال اور جناح کے اعلان کردہ اسی فرسودہ (Out of Date) شریعت

کو اپنی دلیل میں ذکر نہ کرنے کا حوالہ دیا ہوگا۔ اس صورت میں مَیں ان کے موقف سے اتفاق کرتا ہوں، اسی لئے مَیں نے بھی اس دور کی مروجہ شریعت کا نام استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے خاکہ اور کتاب بعنوان ''نظریہ پاکستان اور قرآن'' میں قرآن ہی کا نام اور حوالہ دیا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ متلاشیانِ حق کے دل میں اس جواب سے یہ خیال پیدا ہو رہا ہوگا کہ اگر یہ دونوں محترم حضرات اس شریعت کے تصور سے اس قدر نالاں تھے تو وہ اس کی جگہ صحیح شریعت کا مکمل واضح تصور کیوں نہیں پیش کر سکے؟

اس سوال کا جواب خود علامہ اقبال اپنے خطبات میں دیتے ہیں کہ

''بدقسمتی سے ہمارے ہاں کا قدامت پسند طبقہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں کہ قانون سازی کے مسئلہ کے متعلق تنقیدی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی جائے۔ اگر کسی نے اس بات کو اٹھایا تو یہ اقدام بہت سے لوگوں کے لئے وجہِ ناراضگی ہو جائے گا اور مخالفت کا دروازہ کھول دے گا۔ بایں ہمہ مَیں اس باب میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں گا''۔

موضوع سے ذرا ہٹ کر کہنا چاہتا ہوں کہ اس ''کچھ'' میں بہت کچھ سامنے آیا ہے۔ اب ہم کوشش کریں گے کہ اسی سوال کے کچھ جواب میں جو قائداعظم نے اضافہ کیا ہے، اس کو سامنے لایا جائے۔

شریعت کے متعلق قائداعظم کا موقف:۔

قائداعظم سے جب ایک انٹرویو کے آخر میں اسی نوعیت کا سوال پوچھا گیا تو انہوں نے اپنا موقف دوٹوک الفاظ میں بیان کر دیا۔ مَیں یہاں نہیں چاہتا کہ صرف اسی متعلقہ سوال کا جواب نقل کر دیا جائے بلکہ پورا انٹرویو اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ طوالت کے خدشہ کو قطع نظر کرتے ہوئے اسے من وعن لوگوں کے سامنے لانے کو جی چاہتا ہے، جبکہ وہ نظروں سے اوجھل ہو۔

19۔ اگست 1941 عیسوی، کو جناب جناح حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی، تشریف لے گئے۔ وہاں بعض نوجوان طلباء نے ان سے کچھ سوالات کئے۔ اس مکالمہ کو مسٹر محمود علی نے اردو میں ترجمہ کیا جو اخبار ''انقلاب'' کے 8۔ فروری 1942 عیسوی کے پرچہ زیر ادارت محترم نذیر نیازی اور عبدالمجید سالک کے شائع ہوا۔ اس کی نوک پلک درست کر کے سامنے لانے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش میں اسے پیشِ خدمت کیا جا رہا ہے۔

سوال:۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب:۔ جب میں انگریزی زبان میں مذہب (Religion) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ مَیں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا اور نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ مَیں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب

کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی۔ سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلمانوں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور کرنا ناممکن ہے۔

سوال:۔ اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ اشتراکیت۔ بالشویت۔ یا دیگر اس قسم کے سیاسی یا معاشی مسلک۔ دراصل اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب وتوازن نہیں پایا جاتا۔

سوال:۔ ترکی حکومت تو ایک مادی اسٹیٹ ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ آپ کا اس باب میں کیا خیال ہے؟

جواب:۔ ترکی حکومت پر میرے خیال میں مادی حکومت کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کا امتیاذ سو یہ بالکل واضح ہے۔ ''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاذ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں''۔

اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ ''اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے''۔ اور حکمرانی کے لئے (آپ جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں)۔ بہرحال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

سوال:۔ وہ سلطنت ہند میں کس طرح نصیب ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ مسلم لیگ۔ اس کی تنظیم۔ اس کی جدوجہد۔ اس کا رُخ۔ اس کی راہ۔ سب اس سوال کے جوب ہیں۔

سوال:۔ جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریق کار دونوں میں بہترین اور برترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور تصورات زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور روبہ ترقی لاسکیں۔ تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر وتشریح کردے؟

جواب:۔ (دِقت یہ ہے کہ) جب اس جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کریں تو ہمارے علماء کی ایک (میری نظر میں بہت بھاری اکثریت) جماعت، غیر اس کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیمِ عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں، ان امور کو چند مولویوں کا اجارہ خیال کرلیتی ہے۔ اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت ومستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی حالانکہ اس منصب کی بجاآوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انہیں مَیں ان مولوی صاحبان میں نہیں پاتا۔ (اور مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے''۔

قائداعظم کے اس موقف سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شریعت سے مراد قرآنی اصول واقدارِ حیات لیتے تھے اور اس کا ذکر برملا ہر فورم سے بار بار کیا کرتے تھے۔ وہ اس بات کا بھی حق الیقین رکھتے تھے کہ اختلافی روایات پر مبنی مکتبِ مُلا کی سوچ شریعت کا صحیح مفہوم پیش نہیں کر سکتی۔ اسے اقبالؒ اپنے مخصوص لہجہ میں یوں فرماتے ہیں کہ

مکتبِ مُلا واسرارِ کتاب کور مادرزاد و نورِ آفتاب

دِلوں کا حال تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن مَیں یہ امید رکھتا ہوں کہ اگر محترم ظفر صاحب علامہ اقبالؒ کا تصورِ شریعت سامنے رکھتے تو شریعت کا ذکر نہ کرنے کی ان سے شکایت نہ کرتے۔

یہی بات قائداعظم کے بارے میں بھی صادق آتی ہے۔ اس ضمن میں، مَیں ان کی 1945 عیسوی کی عید کے موقعہ پر تقریر کا صرف یہ اقتباس پیش کرنا چاہوں گا کہ

"Every one' except those who are ignorant' knows that the Quran is the general code of the Muslimans. a religious, civil, commercial, millittary, judicial, criminal penel code. It regulates everything from the ceremony of daily life; from the salvation of the soul to the health of body; from the rights of all, to those of individuals; from the morality to crime, and our prophet (PBUH) has enjoined on us that every Musleman should possess a copy of the quran and be his own priest. Therefore Islam is not confined to the spiritual tenants and doctrines and rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the Whole Muslims society in every department of life, collective and individually."

محترم ظفر صاحب نے دلائل سے ایک نظریہ پیش کیا اور مَیں نے دوسرا دلائل سے نظریہ پیش کیا ہے۔ یہ عین قرآن کے اصول کے کے مطابق حق وصداقت کی تلاش ہے کہ

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (2:111)

'' اگر تم حق وصداقت پر ہو تو اس کے لئے برہان لاؤ''۔

برہان کے معنی ایسی دلیل کے ہیں جو بالکل واضح، ظاہر، صاف، سچی اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہو۔ قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کی رو سے پیش کرتا اور علم وبصیرت کی رو سے منواتا ہے۔ ایمان کہتے ہی بلا جبر دل و دماغ کے پورے اطمینان کو ہیں۔

☆.....☆.....☆

قرآنک فاؤنڈیشن

اشتہار

KHAN JEE

Since the beginning Khanjee yousuf Ali Zia had been the chief patron of Bazm-e-Tolu-e-Islam Toronto. At various occasions Bazm Toronto Ahbab had shown interest to learn more from Khanjee about his other experiences parallel to support and involvement with Tehreek e Tolue Islam.

Khanjee and Ammi Jee (Mrs Khanjee) were about to make a visit to Pakistan. I visited Khanjee at his Burlingtion Ont Canada residence about a week before his departure. During the general conversion, I asked him about his education and professional experiences (It was already known about Khanjee that he had served as chief engineer and also held other respectable positions under the Central Government of Pakistan in early 50's).

At that time I kept taking notes as Khanjee was talking. Now after his demise on 24-8-2013 I thought to type and save the record for Bazm Toronto.

Notes were taken on October 29, 2007.

- January 01-1912 Date of Birth in Bannu (Sarhad).

- 1927 High School- Abbotabad.

- 4 Years study Lahore Forman Christian College.

- 3 Yeas- Engineering College, Electromechanical.

- 2 Years training (Mughal pura Railway workshop and Munday Hydro Electric.

- 1937-April Joined Malakand Hydro Electric Project, Class 2 Electrical Engineer.

-1944 With 5 years Engineering Services, Assistant Executive Engineer.

- 1946 Executive Engineer for 12 years.

-1952 From Malakand to Peshawar as Deputy Secretary Electricity and Electrical Instructor.

-1954 Engineering Superintendant.

1959 Transferred to Warsa Project for Centeral Government.

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری

☆ اندرون ملک، فون: 35753666 42 92+، ای میل: trust@toluislam.com

Surah Al-Muzammil (الْمُزَّمِّلُ) – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 18

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends! Today is February 3, 1984 and today's lecture starts from verse 10 of Surah Al-Muzammil (الْمُزَّمِّلُ) i.e., (73:10).

A little backdrop

Dear friends! I provided a brief background of this Surah and explained its verses 1 through 10 in the past two lectures. I had mentioned then that the confrontation between the Truth (*Haq*) and Falsehoods (*Baatil*) which had been going on slowly for several years between the Prophet (PBUH) and his opponents was entering its final stage and it was getting intensified. The opponents' open confrontation was now gathering full steam. The last two parts (29 and 30) of the Quran mostly deal with the details of this confrontation. In the past two lectures I had described the backdrop of the previous few verses of this Surah as follows: The revolution that the Prophet (PBUH) was leading was entering an extremely busy and challenging period demanding Prophet's full attention at an unprecedented scale. This required him to be also very busy during the night along with the day's busy activities. But he was told by Allah not to overstretch himself too much during the night as this could not be physically sustained over a long period of time. As a result, Allah advised him to get some sleep as the day's full program of action kept him very busy and consumed lot of his energy: إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (73:7). "Since you have so many programs in the day, you do not have any time for anything else. So, it is necessary for you to devote some time in the night to think, to review, and to plan for the next day's activities in the night." For this the Quran said: قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (73:2) – "Try to remain awake a little in the night to accomplish this task."

I had mentioned that when Allah's *Deen* (unified divine code of life regulating all human affairs) got transformed into religion (personal and subjective relationship

with God and concerned mostly with Hereafter) then the meaning and exposition of these verses and the way to follow and to act on them also got changed. Thus, it was said that قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (73:2) meant that the Prophet (PBUH) used to pray *Nafl* all night so much so that his feet used to get swollen; and that is why the Prophet (PBUH) was told to reduce it a little. And there was another task in the process: سَبْحًا – but then this was turned into moving fingers on the beads of rosary (called *Tasbih*) by Muslims. This is the way all the effort to carry out and implement this huge revolutionary program which required incredible challenge and hard work all day long; which required planning, education, review, and training in the night; and above all which required extraordinary perseverance and fortitude for success of this revolution – all this morphed into practicing ritual worship when *Deen* turned into religion. The meaning of these verses therefore changed completely in religion: عِبَادَتِ (*Ibadat*) became worship; the waking in the night (قُمِ اللَّيْلَ) became standing to pray *Nafl*; and the struggles and travails of the day became moving fingers on the beads of a rosary. These then became the Sunnah of the Prophet (PBUH); these then became the interpretation and meaning of these verses. When the *Deen* was turned into religion then *Khilafat* got transformed into *Mulukiyyah*—kings hips (or other forms of rulerships by human over other humans). As a result, nothing remained of Islam: religious rituals and worship took its place; عِبَادَتِ (*Ibadat*) which was obedience to Allah's order and commands was changed into worship of God. If these things were looked at in the light of the Quran then one could understand that the issue the Prophet (PBUH) was facing was not about worship but it was about confrontation with the establishment, so much so that Allah told the Prophet (PBUH) regarding this confrontation: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ – Endure with patience whatever they are saying and doing to you. Be steadfast in your program. Persevere and be focused and do not be distracted from your mission. So, it seems this was something that required courage, perseverance, steadfastness, and fortitude. If it meant only that the Prophet (PBUH) should be praying *Nafl* in the night, doing *Tasbih* in the day, and praying *Tahajjud* late at night, then, his opponent couldn't care less about these things. In fact, they would be happy to let him pray all day and all night as these did not affect their system and status quo.

The objection is always about the system, not about prayer

Non-Muslim governments never have any objections if it is just a matter of only worship. In India, the Hindus, although they are against Muslims, do not object to the Muslims if they pray *Nafl* in the night and *Namaaz* in the day. Prayer and worship could never have been the reasons of the opponents of the Prophet (PBUH) to oppose him, especially after he left Mecca and came to Medina. Why didn't his opponents in Mecca – who were no longer the audience of the Prophet (PBUH) – leave him and his companions alone to pray and worship in Medina? If, according to the traditional *Tafsirs*, all that the Prophet (PBUH) was doing was to pray *Nafl* in the night then why did Allah say to him وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (73:10)? It means: Endure with patience whatever they are saying and doing to you. Be steadfast in your program. Persevere and be focused and do not be distracted from your mission. The next part of this verse clarifies it further: وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا – endure with patience whatever people may say [against thee], and avoid them with a comely avoidance. It means: Enough is enough. You have spent many years of your life to explain to them about the oncoming danger and destruction but they did not listen and did not change their ways. So, leave them alone.

Feeling of grief and pain by The Prophet (PBUH)

Several places in the Quran it is mentioned that the Prophet (PBUH) used to feel lot of pain and grief when his opponents would not listen to his message. At this he was told by Allah not to grieve so much as to have his health affected. They are transgressors; they are adamant; they are selfish; they see their self-interests affected by this revolution, so they are opposing you. It is not that they did not understand the message but they resisted it because they wanted to protect their self-interest. So, the Prophet (PBUH) is asked to leave them alone. But this is not easy thing to do as it is painful for a concerned physician who finally abandons his patients because they are not listening to him. Today it may seem trivial. But if one thinks about it further then one realizes that for a leader – who deeply cares about his people and wants to save them from disaster – it is a very difficult and painful to depart from his people.

Depart but in a comely way

Dear friends! It was now the last stage in this confrontation and the Quran said: وَاهْجُرْهُمْ (72:10) – keep away from them; avoid them. After this the Quran immediately said: هَجْرًا جَمِيلًا (73:10) – avoid them but in a comely way. This was the Quranic order to the Prophet (PBUH).This is the difference between the usual worldly politics and the Quranic politics. The Quran is instructing the Prophet not to show enmity, engage in verbal fighting, indulge in confrontation, or voice opposition while departing from them. It says: you must depart, O Messenger! in a comely and pleasing manner. Prior to this stage the Prophet had concentrated on conveying the revelation and educating the Quresh; and warning them of the oncoming destruction. But now the stage had reached where open confrontation was unavoidable. So, the Quresh were finally told by the Prophet (PBUH): "Ok, if you do not listen; if you do not want to be saved from destruction – then fine, get ready for it; but I must leave you; and I will not have any connection with you anymore. Still I and my companions want to leave you on good terms; we want to go in a comely way." What a difference in attitude: arrogance on one side and humility on the other!

What was all this opposition and confrontation about?

The Quresh possessed an elite status from the point of view of tribal hierarchy. Their system of hierarchy was similar to the hierarchy we have in terms of caste, race, etc. today in our societies. Even today "*Syeds*" enjoy higher status in Muslim societies of the subcontinent. But the status enjoyed by the Quresh in their tribe was far superior. They enjoyed an elite status and a very high regard in their tribal community. They were at the top of the pyramid in the tribal hierarchical structure of Mecca which was going to be dismantled by the revolutionary call of the Prophet (PBUH) where Bilal (R) (a freed Abyssinian black slave) was being addressed by Umar (R) the great Qureshi from an eminent family – by the honorific title of "*Seydna*". This was the result of the Prophet's revolution which called for equality and an egalitarian human society. To Quresh this was unacceptable. They could not even imagine such a drastic change let alone accept it. Being the custodians of the K'aba was not a small thing for the Quresh. Because of this they enjoyed such a high status that no one could dare to

look at their caravans with any bad intention throughout the year (106:2), come winter or summer – رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ – although piracy was commonplace in those days. Their commerce was protected; and their racial superiority and custody of K'aba conferred such a high status upon the Quresh–that they were not ready for any change in the status quo. Hence their extreme opposition to the Prophet's revolutionary teachings.

Allah's call that I will handle them

Dear friends! The next verse makes it absolutely clear what this confrontation was all about. The Quran says: وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (73:11) – And leave Me (alone to deal with) those in possession of the good things of life, who (yet) deny the Truth; and bear with them for a little while. It is also clear from this verse as to who these deniers of the Truth were? Everything the Prophet (PBUH) warned them about, they would call it a lie. Who were these people?

Dear friends! The Quran told in one word: they were capitalists – أُولِي النَّعْمَةِ (73:11)—he Quresh. Why they were so much opposed to the Prophet (PBUH)? If the Prophet (PBUH) was praying *Nafl* all night and moving his fingers on the beads of rosary in the day, and reciting the Quran; then these capitalists couldn't care less because none of that altered their elite status, worldly privileges, and wealth. They would not trouble themselves with confrontation and opposition. They could desire nothing better: Let the Prophet remain busy with *Nafl* and *Tasbih* all day and all night and thus have no time to challenge their corrupt practices. But the Quresh were actively waging war against the Prophet because the revolutionary program that he was instituting, under Divine guidance, would result in utter destruction of the status quo. Thus they continually opposed the Prophet and his companions. But, once this confrontation reached a certain threshold then Allah told the Prophet (PBUH) to leave them but in a comely way; and that Allah Himself will take care of these capitalist Quresh.

This entire false system was declared *the* Deen

Dear friends! *This* was the confrontation. *This* was the bone of contention. *This* was

the capitalist system that became the *Deen* after the onset of *Mulukiyyah* among Muslims. Even today's greatest interpreter, the greatest proponent of establishing the *Deen* of Islam (Maulana Maududi) says: Islam has not imposed any limits on private ownership; so, go ahead and hoard all kinds of wealth as much as you want, just give two and a half percent from your hoardings. But here the Prophet (PBUH) was being told to leave these capitalists alone and that Allah will handle them. But Allah's law of requital will give them some respite as a mercy. This law will not take them into its grip right away. Maybe they will repent and change their ways. Maybe they would wake up and open their eyes from their blindness of arrogance. It is not a matter that this respite is needed to gather weapons and forces from somewhere. On the contrary, there are chains always ready for them: اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا (73:12) – With Us are Fetters (to bind them), and a Barrier (to stop them).

The word جَحِيمً instead of جَهَنَّمَ

Here the Quran has used the word جَحِيمً instead of جَهَنَّمَ – this is a wonder of the Quran! One needs to stop at its every word and ponder. The root meaning of جَحِيمً is "a barrier" that stops any movement and progress. In this verse it is said that they will be stopped. The important point to note here is that chains and fetters were themselves no less effective in stopping them. But the Quran immediately brought the word جَحِيمً after that. This shows how serious and important it is to stop transgressors after a certain point. It seems the confrontation was entering a stage of impending war that was unavoidable. And this scene of the Quresh being chained in fetters and being stopped from their aggression actually happened as is described in this verse at the victory of Mecca. The way they stood in front of the Prophet (PBUH) as prisoners of war contains within itself a huge lesson. World historians are left in awe at how these Quresh who were as powerful and strong as mountains were standing in front of the Prophet (PBUH) in chains: اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا (73:12) – With Us are Fetters (to bind them), and a Barrier (to stop them). And thus all their transgressions will end.

Receiving sustenance under capitalistic system

Dear friends! The next verse is: وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (73:13) – and a food that chokes. They will

be given food that it will get stuck in their throats such that neither will they be able to swallow it nor will they be able to throw it up. What to say of Quranic words my dear friends! Sustenance, after all, would be there. But because they were أُولِي النَّعْمَةِ (73:11) – i.e., because they were extremely wealthy capitalists, very big tribal leaders, don't ask how much haughtiness and hubris they displayed in their dealings? And the word طَعَامًا just does not mean food for the stomach; it also means everything that is required for sustenance. These Quresh were brought up and raised in such lavish style all their life and now *this* kind of food for them that will choke them? That they would not be able to swallow or throw up? No wonder Allama Iqbal was led to say:

Oh highflying bird! Death for you is better than that diet

That from which comes laziness and barrier in the flight

After this the Quran immediately said: وَعَذَابًا أَلِيمًا – and there will be grievous suffering for them (73:13). The question is: When would this happen to them? This would happen: يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا (73:14) – on the Day when the earth and the mountains will be convulsed [due to earthquake] and the mountains will [crumble and] become like a sand-dune on the move!

Meaning of جِبَالُ "*Jibaal*"

Now if we take the literal meaning that the earth and the mountains will be physically convulsed then one could argue that when there is an earthquake in the earth then it would happen in the mountains as well. So, there is no need to mention the mountains separately. Let us see this in terms of metaphorical meanings of جِبَالُ and أَرْضُ. Arabs used the word جِبَالُ to address tribal leaders who were as strong as mountains; as firmly grounded as mountains in their exalted status, in their hubris, and in their strength. So, therefore, they were like mountains. And the rest of the people were low like the earth to be trampled on. So, the low class people to the Arabs were like the earth. These are appropriate and very good metaphors for describing these two groups of people: one at the top (جِبَالُ) and the other at bottom (أَرْضُ). The Quran is saying that on that day convulsion will occur in the hearts of the megalomaniac and despotic leaders and their followers, what to say of the downtrodden and the

oppressed people who suffer at the bottom anyway. After this the Quran says: وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (73:14) – and the mountains will [crumble and] become like a sand-dune on the move! On that day, all these great leaders and their followers shall tremble (before the Prophet's power and strength). And the leaders who at present look like mountains will become like sand dunes, slipping away on their own…

The word كَثِيبً after جِبَالُ

My dear friends! This word كَثِيبً itself was enough to describe the situation but the Quran used the word مَّهِيلًا immediately afterward. That is, such a sand dune that is moving from underneath the ground towards the sea for its complete annihilation. Let me mention that if it was just a matter of a future random event, then one can say: Let it be! Who cares now? But the Quran says: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ (73:19) – what We are saying is very clear and is a fact of history. It contains within it countless meanings and lessons. They are reminders for you to learn lesson from it. If, on the other hand, if we are talking about physical mountains then in any future period if they became sand dunes and crumbled in the sea, then what relation does this have with us in the present? If this is some physical phenomenon then so be it. How does it affect us now? But if we take the metaphorical meaning given above then we know what kind of reality the Prophet (PBUH) faced with the leaders of Quresh and how the Quresh witnessed their mountainous high status crumble right in front of their own eyes; and how that can serve a lesson for future.

Victory of Mecca serves as an example and as a living testimony

My dear friends! When Mecca was conquered in year eight after emigration (8 A.H.) then don't ask what the condition of these big lofty leaders was? All along they were being told that this is coming but they used to dismiss it. The Quran clarified thus: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (73:15) – O Messenger! Tell them, "As has been shown to you, neither is the purpose for which I have been sent new, nor is the outcome of those who oppose anything new." The earlier messengers also proclaimed such revolutionary message and those who opposed them met a similar fate. Amongst them was the revolution brought by Moses; and the Pharaoh's end was

known to all of Quresh. "We have sent you to these people, O Messenger, so that you may stand as a guard and witness over them to see what they do," the Quran declares. The word اِلَيْكُمْ clarifies that the Messenger has been sent to "all of you" and along with it he is also شَاهِدًا عَلَيْكُمْ – "he is watching you and seeing what you are doing." And the example that is given in support of this evidence is that of the Pharaoh to whom Musa (PBUH) was sent. The confrontation of Musa (PBUH) and Pharaoh is legendary and its story is spread throughout the Quran in more detail than any other Prophet. As I have been saying all along, there are only three evil institutions that crush humanity: (i) *Mulukiyah*, i.e., rule of humans over humans; (ii) Capitalism, i.e., *Qarooniyat*; and (iii) Priesthood, i.e., *Hamaniyat*. At the time of Prophet Musa (PBUH) all these three evil institutions were in full force, and at their heights: Pharaoh saying: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى 79:24) – "I am your Lord All-Highest!"; Haman the high priest had his troops of followers; and Qaroon said: all this wealth is mine and I have earned it with my own intelligence; and, therefore, no one has any right in this.

Confrontation of the Prophet Musa (PBUH) and the Pharaoh

Dear friends! All these evil forces had gathered in one place, and under their iron grip, the people of Bani-Israel were restive, oppressed and crushed. Prophet Musa (PBUH) was sent to them. And now the Quresh were being told: this Prophet (PBUH) has been sent unto you for the same reason as Musa (PBUH) was sent to Bani-Israel. The Quran explained succinctly by this one example as to what this confrontation between Muhammad and the Quresh was all about, and why this battle was being waged. So, the Prophet's program and his struggle with the Quresh, his waking in the night – all this was not being done for praying *Nafl* in the night. This was a struggle; this was a confrontation – exactly like the confrontation that had occurred between the Pharaoh and Prophet Musa (PBUH): كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (73:15). But the Pharaoh did not listen: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (73:16) – the Pharaoh transgressed against the Messenger. What was the result of this transgression? فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (73:16): whereupon We took him to task with a crushing grip. And then what did We do to him? We did وَبِيل. What a dramatic presentation?

The Meaning of the word وَبِيل

Dear friends! The Quran *cannot* be understood unless and until the meanings of its words are understood, today, in the same way they were understood by the Arabs at the time of its revelation. My book Lughatul Quran is the result of my lifelong study of the Quran and its Arabic language; and in this book I have given references of authentic lexicons that bring out the meanings of Quranic words as understood by the Arabs at the time of its revelation. The friends who have studied my Lughat in-depth tell me that there is no difficulty in understanding the Quran in light of this Lughat. In the process of compiling my Lughat I used to come across this unique situation: I could understand the meanings of the Arabic words that were prevalent at the time of the revelation of the Quran but there were no appropriate words in our language to express that meaning. I used to have some strange feelings those days—on one side was this clear original meaning of the Arabic word and on the other side was the limitation of our own literary language. But, in my mother tongue Punjabi, I could find words to express that meaning but I could not write that in Punjabi language in Lughat as this is not considered a literary language. But the fact is that the meaning used to become clear using words from this language.

Let me explain this with an example. We have here: فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (73:16) – whereupon We took him to task with a crushing grip. And then what did We do to him? We did to him وَبِيل.

Please allow me to explain this in Punjabi, and then it will become clear what the Quran is saying? Our students of new generation may not know how in the past households used the services of washermen for cleaning clothes. We now have iron presses for pressing clothes and removing wrinkles from them. But those days we did not have iron presses or wash-and-wear clothes. So, the clothes used to have a lot of wrinkles in them after being washed. To remove these wrinkles the washerman used to spread the washed clothes on a wooden plank and used to beat and roll a wooden staff on it to remove the wrinkles. They had a phrase for this process: to do "*khamb*". May be you have heard this for the first time today. Washermen used to boil the dirty clothes in a cauldron. "*Khamb*" in Punjabi language means white mushroom and

because of its whiteness this word was used for washed clothes; and the phrase "remove its *khamb*" was used to remove wrinkles from washed clothes and the phrase "make them *pidra*" i.e., make them smooth and even. This phrase is used in villages that have not been affected too much from city people and they still say: "remove his *khamb*" and make him "*pidra*" in regards to a person who used to display too much hubris and arrogance – i.e., move a heavy roller over him and remove his arrogance and make him learn humility.

So, when the Quran says about the Pharaoh: فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (73:16) – whereupon We took him to task with a crushing grip, then the meaning of the verse becomes very clear in light of the above phrases of the Punjabi language. Pharaoh had become an oppressor; and he was declaring himself as اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (79:24) – "I am your Lord All-Highest!" So, We took him to task with a crushing grip; We removed his "*khamb*" and made him "*pidra*". So, my dear friends! Does "فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا" in light of the above Punjabi phrases require any more explanation? In today's terminology we would say: "We rolled a bulldozer over the Pharaoh." Allama Iqbal also says: "If the staff of *Kalim* (i.e., Musa) is not there then sermons are useless." If you do not have a big stick then no one's wrinkles can be straightened out. My friends! فَعَصٰى فِرْعَوْنُ (73:16) – Pharaoh's transgressions had exceeded all bounds; he had become full of hubris; he had become a tyrant and a megalomaniac. All these different kinds of wrinkles had to be removed from him, and this one word وَبیل means all of this. This is the miracle of the Quran my friends! Those Arabs knew the meaning of this word وَبیل. So, they understood perfectly what, in fact, had happened to Pharaoh. And very soon the Quresh got a taste of that reality themselves when all the wrinkles of their hubris and arrogance was removed at the victory of Mecca and they were standing in front of the Prophet (PBUH) in fetters and chains. The Prophet (PBUH) asked them: What should be done to you now? They replied: You should do what a noble brother does to his other brothers.

The Prophet's legendary conduct with Quresh after victory of Mecca

Dear friends! Upon their defeat the Quresh did not beg for mercy. They simply referred to the Prophet (PBUH) as a noble brother. And the brother gave such a high

illustration of virtue and dignity that it became a legendary example to the world: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (12:92) – "No reproach shall be uttered today against you. Open their fetters and chains," he said to his companions. They are asking for due treatment from the noble brother? *This* is the treatment of the noble brother – لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (12:92). So, this is what happened to Quresh – no reproach of any kind was done to them.

Thus: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ; فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ; السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (73:16-18) – The Pharaoh rebelled against the divine laws as presented by Our messenger (Moses). Our law of requital seized him (the Pharaoh) with such a severe grip that he could not get out of it. Tell them that when (such a powerful and strong ruler like) the Pharaoh could not escape Our grip after disobeying Our laws, how can they (the Quresh) get away? The doom and destruction will be so severe that it would instantly age children. (Normally, childhood goes through adulthood before the start of physical decline. But this revolution will instantly bring about the downfall of the wrong system.) Quresh were told: Are you not afraid of the day when its severity will make children old? The phrase "will make children old" reflects the severity of the doom and destruction. We also use the phrase "my hair became white" to indicate the intensity of the strain, e.g., we often hear the phrase: "the death of my son in his prime youth turned my hair white." So, the Quresh were being warned that be afraid of the day when that severity will be such that children will become old and the sky will become asunder. Then the Quran said this to emphasize that this is not a mere warning but: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (73:18) – Whatever is being said *will* certainly happen; that this destruction is bound to happen.

The real issue was to face the confrontation

Dear friends! These were the various stages in the confrontation with the Quresh that the Prophet (PBUH) went through and during which he was actively busy in the days and used to keep awake during the nights strategizing, planning, and pondering how to overcome this confrontation. This was not a matter of praying *Nafl* in the night. The Quran then addresses the Quresh (and all coming generations) that whatever is

mentioned in the previous verses, there is a lesson to be learned: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ (73:19) – "This is a reminder to you so that you may think and ponder as to what the end result would be of the wrong system of life that you have developed for yourselves. The contemporary people can learn a lesson by witnessing the destruction of the Quresh before their eyes; coming generations can look to the pages of history to learn what the end of the Pharaoh and Quresh was? So: فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (73:19) –which means what We are saying is a historic fact and a clear reminder containing many lessons. Let him who wills, then adopt the way of universal system of development and nourishment of Thy Sustainer! We do not force anyone. We explain and remind. So, think about it. Whoever wants to choose the right way let him do it; and whoever wants to choose the wrong way let him do it. Because after that, Our law of requital will decide the result of that choice. This result is bound to happen accordingly: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (73:18). It did not end with the Pharaoh nor did it end with the Quresh. Allah's law of requital is eternal and will apply until the Day of Judgment. This law will apply in all ages as long as human beings exist. In every era whenever a new Pharaoh starts transgressing the end is going to be the same. This is an unchangeable and enteral law applicable at all times. This is because: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (73:18). Dear friends! We had started our discussions with the need for the Prophet (PBUH) to devote some time in the night for planning and strategy for the execution of the program at hand. We want to draw your attention to the point from where we started the discussion.

The meaning of تَقُومُ

The Quran said: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (73:20) – Your Sustainer surely knows that you are busy accomplishing your program for almost two-thirds of the night; or half the night; or sometimes one-third of it. Many of your companions are also with you. However, Allah has determined measures for the night and day. Night has been provided for rest (78:9-11). تَقُومُ does not just mean "standing" but it also means to remain busy; to be involved with work. Since the companions were with the Prophet (PBUH) as it is clear from this verse, then what were they doing? Were the companions just watching the Prophet (PBUH)

pray *Nafl*? Or they were there for some specific purpose? The verse goes on to say that Allah has determined measures for the night and day. Night has been provided for rest and sleep (78:9-11). The sleep removes the tiredness of the previous day and rejuvenates the body for the next day's work. So, the companions, who were an integral part of the Prophet's program, needed some rest and sleep. The companions are mentioned in glowing terms by the Quran: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (48:29) – MUHAMMAD is Allah's messenger; and his companions are firm and unyielding like a rock towards those opposing the truth, but full of mercy towards one another. The Quran addresses all companions: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ …. (73:20) – Allah knows how enthusiastic and desirous you are to see that this program gets implemented as soon as possible; and that is why you do not care about your sleep or rest. However, you will not be able to sustain this schedule much longer. Thus He cannot permit you to undertake such strenuous and unbearably hard work, except in emergency when one may have to work long hours. Under normal circumstances reasonable limits should not be exceeded. Allah wants convenience for you. Hence, you should be content with small portions of the Quran, which you can conveniently inculcate into the hearts of your companions. These portions will thus take root therein and grow and flourish. As Iqbal said:

A message of midnight cry and lamentation came yet again to me

Stop O traveler! Perhaps again a difficult place has come to thee

Meaning of قُمِ اللَّيْلَ

Dear friends! Again a difficult point has come. According to the traditional interpretation قُمِ الَّيْلَ (73:20) means that the Prophet (PBUH) used to pray *Nafl* prayers in the night. And then: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20) was interpreted as: along with your *Nafl* prayers recite the Quran with Qira'at – as if the use of the Quran is just for recitation. It has become now a practice to have Quran recitation (تلاوت قرآن) at the beginning of any religious function. This is same as the ritual of writing of بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ on top of a letter although abusive language might have been written

further down. The meaning of تلاوت is to follow, to practice, to walk behind someone. This is the reason the Quran is a code of guidance. In Arabic كِتَابٌ means code of laws. It is read because it needs to be understood. The fundamental prerequisite is to *understand* it. This is the meaning of تلاوت. But understanding it is not the ultimate goal either. Western orientalists understand this book of Arabic language at a better level than us. Therefore, to understand it is not enough. The ultimate goal is to follow and obey the laws therein. This is the meaning of تلاوت. Also, the word فاقرَؤُ (73:20) normally translated as "recite the Quran", actually means: "proclaim the revolutionary message of the Quran to the world."

The meaning of the words Quran (قرآن) and Iqra (اقرَأ)

My dear friends! The word "Quran" **(**قرآن**)** is worth pondering. Allah Himself selected this name for His last Book to humanity. Some lexicographers think that it is a Hebrew word with root ق-ر-ا which means "to proclaim" as in: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (96:1) – O Prophet (PBUH)! Proclaim to the whole world that universal sustenance is in the hands of Allah. Therefore, اقرَأ means to proclaim and announce publically some significant public announcement. It does not mean "read" as it is usually translated. اقرَأ is an immensely important term of the Quran. The root of this word according to Arabic language is: ق - ر-ء – which means to collect something; gather something, to protect something. But one marvels at the sophistication of this language if we go deeper into its all its nuances. It is one thing to gather and protect something as, for example, money or gold, and to put it in a safe, locked, and protected place. But after any amount of time the money or gold will remain the same. It will not have grown. But the root meaning of ق - ر-ء is to gather and protect the way the embryo is gathered and protected in the mother's womb. It remains protected but it gets sustenance and nourishment there and becomes a child. ق - ر-ء means that kind of dynamic protection of an object where its development and nourishment continue to occur with passage of time while at the same time it remains continuously protected. A complete system of life which is a whole, seamless collection of divine laws and a code of life, protected in such a way that it keeps up with the movement of time and with human societal evolution until the Day of Judgment – all this meaning is

contained in the root ق - ر-ء . It means the Quran is applicable to all times and all places. Its code of life will be able to maintain a system of universal development and nourishment for all humankind. The action that leads to this system is called Qira'at: To read the Quran (Qira'at-e-Quran --قرآن), to understand it; and then to act on it after understanding. In a nutshell, it *is* to be the aim of this life. To attain this goal the Quran instructed the Prophet (PBUH): قُمِ الَّيْلَ (73:20) – Try to keep awake part of the night, read and understand the Quran so you will be prepared to implement some of its principles the following day. But the traditional translation of this is that the Prophet stayed awake at night just praying *Nafl*. And if the situation demanded more work then, you, O Prophet! (PBUH) keep awake at night a little longer to ponder and plan as to how to advance this cause further; but this is only for you: فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (17:79). The traditionalists interpret this as meaning that he should pray *Tahajjud*. And finally, فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20), which means stay awake part of the night so that you can read the Quran in order to understand it; so that you can implement it in your lives. This is interpreted by the traditionalists as meaning only that the Quran should be recited at night. That is to say, pray *Nafl*! Pray *Tahajjud*! And recite the Quran! That is all. Be happy!! Go to Heaven!!!

Our meaning of Qira'at

As time went by *Qira'at* became simply the art of reading the words of the Quran (without understanding them). People started emphasizing this so much that we now have professional *Qaris* for Quran recitation. This was followed by the appearance of *Huffaz* –people who memorized the entire Quran without understanding a single word. This became a profession and a means of earning their livelihood. Neither the ones who recite nor the ones who listen comprehend the meaning of a single word. Then followed the practice of *Shabina* (i.e., all-nighters of Quran recitations) during Ramadan! As if this wasn't enough, recitation itself became an art – the art of *Tajweed*. Then the recitation of the Quran with *tajweed* became a profession and led to the formation of groups of professional *Qaris*. These *Qaris* are not interested in the meanings of the words but only in their pronunciations and how fast they can recite. Recitation of the Quran in this manner precludes understanding the meanings of the

words. One does not ponder on the meanings of the words so that it can lead to development and elevation of the soul. And, of course, under such circumstances the question of Quanic implementation or Quranic obedience does not even arise. Groups of *Qaris* come from different parts of the Muslim world. *Qira'at* has become an art and the *Qari* has become an expert of a different art of rhythm and tune. Egyptian and Hejazi tunes have become very popular with listeners. People now appreciate the *Qaris* based on the style and rhythm. Do you know the difference between the Egyptian and Hejazi styles of *Qira'at*?

The explanation of raga *Bhairon* and raga *Bhairavi*

My dear friends! I know some music also. Ragas have been invented by Hindus. The Hejazi *Qira'at* is based on raga *Bhairon*. This was the raga of the Hindus for early morning before sunrise. With this raga *Bhairon*, which is very delicate, melodious, and very moving, they used to wake up their Hindu deities. The next raga is *Bhairavi*. The Egyptian *Qira'at* is based on this raga. This is the raga for after the sunrise. This raga reflects feeling of happiness, joy, and ecstasy. The Egyptian *Qira'at* is done in raga *Bhairavi*. Now, according to the traditionalists, the ragas are *haraam* (forbidden) but the *Qira'at done* in these ragas are not *Halal* but bring huge rewards in the Hereafter! So this is *Qira'at*, these are *Qaris*, and this is recitation; and, of course, there are *Nafl* and *Tahajjud* prayers! Keep doing them! Now the whole Quran is being recited in one night!! Famous *Qaris* are invited to do *Qira'at*. But there is no need to invite them – cassettes (and now You Tube) are available everywhere. There is huge enthusiasm and interest in this eneterprise. Muslims are very happy that Quran is being propagated on wide scale. Recitation and singing are being done in every Muslim home and on every Muslim TV channel in this age than any other age. Islam is being resurrected! What could be happier thing than this? It is another matter though that when loudspeakers came out they were declared haram but now have become part of this resurrection process of Islam. *Qira'at*, *Tilaawat*, Memorization of Quran, *Tajweed* – all this is going on. When you ask: From where did you acquire these things? The reply of the traditionalists: See, it is in the Quran? فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20) – Whatever you can recite easily do it. Now, after all the hard work of the day

the Prophet (PBUH) and companions gather together in the night. For what? Just to read some Quran. My dear friends! This has now become the interpretation of this verse.

How everything got changed

Dear friends! Just one thing changed: Allah's obedience changed into the obedience of humans and then everything got changed under it. In a system where the obedience is done to humans – no matter the form of government – the original (real) meaning of *Qira'at* and *Tilaawat* could not fit in; so their meaning was changed so that they could fit in this new machinery of Islam. Now, the more these warped meanings are promoted the more they say the renaissance of Islam is taking place! No wonder!! If you criticize, then troops of Haman are ready to charge and pounce.

Instructions for accomplishing Quranic program

What needs to be done for accomplishing this Quranic program? For this the Quran says: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20) – the Prophet (PBUH) and his companions should sit together at night and think and ponder over how to advance this Quranic program; they make sure the goal is realistic; and they advance towards that goal deliberately, gradually, and progressively. They move slowly. They are advised not to try to hurry. Because:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (73:20) – Allah knows that some of you are weak and may fall sick; some of you have to travel far in search of livelihood; and some of you have to participate in wars for which good health and stamina are necessary. Therefore, tackle only small portions of the Quran so that these can be understood and assimilated easily. The agenda should be such that it is possible to cover every aspect of it during part of the night. Then the Quran says: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20) – whatever you have decided during the night's deliberations try to accomplish only that much. Humans have this strange characteristic: when the program advances further or when they encounter a challenge they want to accomplish everything quickly, in a day. They have this strong

desire in their hearts to speed things up. Here, Allah had to advise the Prophet (PBUH) and his companions: "take it easy and do not exhaust yourselves; advance deliberately and gradually towards the goal. Otherwise, you will get tired." Whoever would follow these instructions would become *the* leaders in this world.

The Prophet's desire to see the results

My dear friends! The Prophet (PBUH) had this innocent desire in his heart that whether he will be able to see the final goal of this program in his lifetime or his whole life will be spent in struggle and hard work. It seems that this Prophet's wish was moving fast in his heart, so Allah advised the Prophet (PBUH): وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ – BUT WHETHER We let thee see [in thy lifetime, O Prophet, the fulfillment of] some of what We have promised them, or whether We cause thee to die [before its fulfillment] - thy duty is no more than to deliver the message; and the reckoning is Ours. فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (73:20) – whatever portion of the Quranic teaching has been accomplished; be satisfied to inculcate it into the hearts of the companions so that they are able to nourish and develop it. That is, try to inculcate only that much of the Quran into their hearts which they are able to handle. But this became with us: Pray *Nafl* in the night; do the *Qira'at* of the Quran; become a *Qari*. After this what to do: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (73:20) – The traditionalists answer: Read *Namaaz* and give *Zakah*.

Dear friends! Every day we see pamphlets and newspaper ads asking people: "establish *Namaaz*; read *Namaaz*; and give *Zakah*". Give two and half percent from your savings, and, according to them the program is done. But this has nothing to do with the program that the Quran talks about and that Prophet (PBUH) and companions followed. That program was to establish the order of *Salaah* gradually and also to make arrangements for the nourishment and development of humankind. So: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (73:20) – For this objective give your wealth to the Divine order as a loan, and it will be returned to you manifold. What a beautiful loan is قَرْضًا حَسَنًا !

What do we mean by قَرْضًا حَسَنًا

My dear friends! What is the meaning that the Arabs understood by قَرْضًا حَسَنًا? You must have seen animals eating their food very fast and then they sit relaxed and chew the cud afterwards. The regurgitated raw fodder then gets assimilated in the form of nourishment that becomes part of the body. This is called قَرْضً: Originally it was taken in raw form as fodder and then the divine system breaks it down and renders it in the form that nourishes the body of the society and becomes part of it. This process is called قَرْضً حَسَنً. It said here that give your wealth to the Divine system. Allah will return it in a form that becomes part of the living body of the Quranic society: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ (73:20) – In other words (in the initial stages of the establishment of the order) We shall credit your account with any good you do; and ultimately all will be returned to you together with a great reward. (This Divine system will return to you every penny which you spend now; and along with it even your "self" will be nourished.) Actually: مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (73:20) – All this We are saying is not for Us. This is for your own benefit. Think about it! What you have sent forward for your selves. You would have become tired after reaching your destination but what you gave would be returned to you then manifold. This would be a great reward: هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (73:20). This is the way you can seek protection from Allah against the dangers created by your enemies. This way you will remain protected from all kinds of dangers and uncertainties: وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (73:20) – Thus, seek protection from Allah against the dangers being created by your opponents. He will keep you safe from the dangers and also provide you abundant means of nourishment.

My dear friends! Surah Muzammil (المُزَّمِّلُ) – and its program – is now finished here. We will take up Surah Al-Mudassir (المُدَّثِّرُ) next.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆